چندہ سالانہ

تعمیرِ حیات لکھنؤ

پندرہ روزہ

شعبہ تعمیر و ترقی
دار العلوم ندوۃ العلماء
لکھنؤ

ایڈیٹر سید محمد الحسنی
معاون سعید الاعظمی ندوی

۴ رجب المرجب ۱۳۸۴ھ مطابق ۱۰ نومبر ۱۹۶۴ ع

مجلس تحقیقات و نشریات اسلام

ندوۃ العلماء لکھنؤ

مقاصد

مختلف زبانوں میں ایسے پرمغز اور صالح لٹریچر کی تیاری جو اسلام کی مؤثر و طاقتور نمائندگی کرے ۔

ایمان و یقین کی بنیادیں ذہن و دماغ میں ازسرنو استوار کرے ۔

اس ذہنی و فکری بےچینی و انتشار کو رفع کرے جو مغرب کی مادہ پرست تہذیب و ادب نے عالمگیر پیمانے پر پیدا کر دیا ہے ۔

اس نئے ارتداد کا مقابلہ کرے جو طوفان اور سیلاب کی طرح تمام عالم میں پھیل گیا ہے ۔

پندرہ روزہ
تعمیر حیات
لکھنؤ

جلد ۲
نمبر ۱

سالانہ
-/۷ روپے
فی پرچہ
۳۰ نئے پیسے

شعبۂ تعمیر و ترقی دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

۱۰ر نومبر ۶۴ء مطابق ۳ر رجب المرجب ۱۳۸۴ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۱۶۵۸
۳۰۵۳

ہماری جد و جہد کا اصل مقصد

محمد الحسنی

اگر کوئی یہ سوال کرے کہ "ندوۃ العلماء کے تخیل اور لائحہ عمل میں آخر وہ کیا ندرت یا عظمت ہے، جس کے لئے بار بار اور اس قدر اصرار اور قوت کے ساتھ دعوت دی جاتی ہے؛ اس کے نہ ہونے سے زندگی میں کیا خلا باقی رہ گیا تھا، دنیا کا کون سا کام ملتوی ہو گیا تھا، ملت اسلامی کو کیا مصیبت در پیش تھی؟ آخر وہ کون سا کام ہے جو کہیں نہیں ہو رہا ہے، اور جس کے لئے ندوۃ العلماء وجود میں آیا ہے؟

یہ سوال اور اسی طرح کے دوسرے ذیلی سوالوں کے لئے ہمارے پاس صرف ایک جواب ہے، اور وہ یہ ہے کہ "ندوۃ العلماء قلب اور دماغ کی اس دوئی کو ختم کرنے کے لئے وجود میں آیا ہے جس کی وجہ سے مادیت اور نفس پرستی ایک منہ زور اور بے لگام گھوڑے کی طرح ہو گئی ہے، جس کے دسترس سے دنیا کا کوئی اخلاقی اصول، کوئی شرافت اور کوئی ضمیر محفوظ نہیں، اور ایثار و ہمدردی، انسانیت و شرافت، محبت الٰہی، جذبہ خدمت اور انسان کے لطیف ترین احساسات و جذبات اور اعلیٰ اقدار کو اس بھری دنیا میں منہ چھپانے کے لئے بھی کوئی جگہ نہیں مل رہی ہے۔

جس کی وجہ سے پوری انسانیت دو گروہوں میں تقسیم ہو گئی ہے، ایک گروہ نے دنیا کو اپنی موروثی چراگاہ سمجھ لیا ہے۔ اور اس کو اب کسی چیز کی حرمت و ناموس کا پاس اور کسی مسئلہ میں حلت و حرمت کا خیال نہیں؛ وہ صرف معدہ اور دماغ سے سوچتا اور اخلاقی چیزوں کو بھی میٹر سے ناپتا اور تولتا ہے، وہ دل کی صورت تو رکھتا ہے لیکن دل کی حقیقت سے محروم ہے اور اس رہی سہی صورت سے بھی بیزار ہو کر مصنوعی دل اور مصنوعی پھیپھڑوں سے کام نکال لینا چاہتا ہے تاکہ احساس کی وہ خفیف لہر اور ضمیر کا وہ لطیف ارتعاش جو کبھی کبھی اس میں حرکت پیدا کر دیتا ہے وہ بھی ہمیشہ کے لئے فنا ہو جائے اور یہ آخری کانٹا بھی اس کے پہلو سے نکل جائے۔

دوسرا گروہ دماغ کی اس حیلہ تراشی، عقل کے اس ناجائز اور غلط استعمال، معدہ کی زود دستی اور شکم کی اس بالادستی سے تنگ آ کر عقل کی کار فرمائیوں اور دماغ کی قوتوں کو بھی شک و شبہ کی نگاہ سے دیکھنے لگا ہے، اس نے اس دنیا کو پہلے گروہ کے رحم و کرم پر چھوڑ کر مدرسہ و خانقاہ" میں پناہ لی ہے، وہ انسان کی ذہنی اور دماغی صلاحیتوں اور کارناموں سے خائف، اس کے اثرات و نتائج سے غیر مطمئن اور اس کی اصلاح سے مایوس اور ان دونوں کے اجتماع اور صحیح توازن کو قطعاً محال سمجھتا ہے۔ اور اس نے اپنی خیر اسی میں دیکھی ہے کہ اس "میدان کارزار" سے جہاں کسی کی عزت و حرمت اور کسی کا دین و ایمان محفوظ و مامون نہیں بلا کچھ کھوئے ہوئے پیچھے ہٹ جائے ؎

خیر اسی میں ہے قیامت تک رہے مومن غلام
چھوڑ کر اوروں کی خاطر یہ جہان بے ثبات

اگر دل و دماغ کی اس دوئی اور علیحدگی نے اور قلب و عقل کی اس آویزش اور کشمکش نے دنیا کو حقیقی امن و سکون اور روحانی مسرت سے محروم اور کانٹوں اور جراحتوں سے بھر دیا ہے، اگر اس نے انسانیت کو دو ایسے کناروں اور سروں کے درمیان لا کھڑا کیا ہے، جن کا فاصلہ بہت طویل اور جن کا اجتماع انسانیت کے حق میں بہت ناگزیر ہے، اور جس کی وجہ سے نیک اور صالح جذبات وسائل اور قوت سے تہی دامن، اور قوت و وسائل صالح و پاکیزہ جذبات اور نیک مقاصد سے محروم اور ناآشنا ہیں، اگر ان دونوں کے "بقاء باہم" اور متوازن نشوونما سے دنیا کا کوئی مسئلہ حل ہو سکتا ہے تو بے شک "ندوۃ العلماء" اسی کے لئے وجود میں آیا ہے اور یہ وہ کام ہے جو ایک اہم اور ایک نصب العین کی حیثیت سے کہیں نہیں ہو رہا ہے اور مدرسہ و میکدہ کسی جگہ اس کی طرف پوری توجہ نہیں ہے "ندوۃ العلماء" نے روز اوّل سے اس

اہم حقیقت پر اپنی بنیاد رکھی اور اس کے بانیوں اور داعیوں اور فرزندوں اور خادموں نے حتی الامکان اپنی زندگی اور اپنی سیرت و کردار اور اپنی جدوجہد اور دعوت سے اس کا عملی مظاہرہ کیا۔ خود بانیٔ ندوۃ العلماء مولانا سید محمد علی مونگیریؒ کا نام نامی اس باب میں بالکل کافی ہے اور ان کی سیرت وشخصیت اس جامعیت قلب و نظر کی بہترین مثال ہے۔

ندوۃ العلماء زبان و ادب کا رشتہ اس زندہ اور دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ جوڑنا چاہتا ہے جو یقین و اعتماد توکل و تسلیم۔ شوق آخرت، خشیت و انابت، محبت الٰہی اور عشق رسول کی دولت جاوید سے مالا مال ہو جس میں منزل کی لگن، انسانوں کا درد و سوز اور خدا و رسول کے لئے ہر قسم کی نفس کشی اور ایثار و قربانی کا لازوال جذبہ موجزن ہو، وہ یہ سمجھتا ہے کہ اس رشتہ اور اتصال کے بعد ہی ان علوم و فنون اور ادبی و تاریخی خزانہ میں کوئی قیمت پیدا ہو سکتی ہے اور اس کے جوہر کھل سکتے ہیں، اگر یہ نہیں تو یہ سب "سودائے خام" اور "متاع بے اعتبار" ہے۔

ہر ایک شے غیر معتبر کتنی ترے غم معتبر سے پہلے

اس سے آگے بڑھ کر وہ یہ بھی سمجھتا ہے کہ قلب کی اس محرومی یا ناقدری کی وجہ سے یہ ساری علمی و ادبی جدوجہد اور سارے علوم و وسائل محض ناقبول اور نا معتبر ہی نہیں بلکہ انسانیت کے لئے وبال جان اور اس کے حق میں زہر آلود کانٹے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ یورپ کے یہ عظیم وسائل آج ... پوری دنیا کے لئے بربادی کا پیش خیمہ بن گئے ہیں اور دنیا کے کسی ملک میں بھی معلومات اور وسائل کی کثرت انسانوں کو سکون فراہم کرنے سے قاصر ہے بلکہ انکے لئے نئے نئے مصائب اور نئی نئی دشواریاں پیدا کر رہی ہے،

اس کے نزدیک حاملین علوم نبوت کا مقام یہ ہے کہ ان کی زندگی اسلام کا زندہ اور دائمی معجزہ ہو، ان کے کردار سے ایمان و یقین کی شعاعیں پھوٹتی ہوں، ان کے پاس بیٹھنے سے خدا یاد آتا ہو اور آخرت کا خیال پیدا ہوتا ہو اور اس دنیا کی بے حقیقتی اور بے ثباتی آشکارا ہوتی ہو، ان کی محبت سے ایمان میں اضافہ یقین میں طاقت اور لاخوف علیہم ولاھم یحزنون۔ (نہیں ہے ان کے لئے کوئی خطرہ نہ وہ رنجیدہ ہوں گے) کی کیفیت پیدا ہوتی ہو۔ ایک طرف ان کی زندگی ان احوال و کیفیات کی آئینہ دار ہو، دوسری طرف وہ بزدلی اور فراریت کے خوگر نہ ہوں بلکہ جرأت اور اعتماد کے ساتھ تلخ حقائق کا سامنا کریں۔

وہ دنیا کے تغیرات، جدید رجحانات اور نئے سوالات سے نہ صرف بخوبی واقف بلکہ اس پر حاوی ہوں، بلند حوصلہ عالی ظرف فراخ دل اور بردبار ہوں، اس لئے کہ قدم قدم پر اس دنیا میں ان کو تحمل اور صبر سے کام لینا پڑے گا اور استعینوا بالصبر والصلوٰۃ پر عمل کرنا ہوگا۔

جب دل و دماغ کا یہ صحیح اور دوستانہ اجتماع عمل میں آجائے گا اس وقت وہ چول اپنی جگہ بیٹھ جائے گی جس کے ہٹ جانے کی کوئی کوشش کامیاب نہیں ہو رہی ہے اور مایوسی کی گھٹائیں برابر بڑھتی آرہی ہیں۔

آج دنیا میں علم برائے علم قوت برائے قوت، ادب برائے ادب کا نعرہ لگانے والے بہت ہیں اور انھوں نے موجودہ لٹریچر میں خدا ترسی اور آخرت طلبی کے لئے کوئی جگہ نہیں رکھی ہے بلکہ اس کی بنیاد ہی، دین بیزاری اور خدا دشمنی پر قائم ہے انھوں نے اپنے سامنے کسی نیک مقصد کو نہیں بلکہ اغراض و مصالح کو رکھا ہے۔

ایسے بھی بہت ہیں جو ایمان و عقیدہ رکھتے ہوئے اور اپنے مذہب و تاریخ سے واقف ہوتے ہوئے بھی اس کے سحر کا شکار ہیں، اور اس کی وسعت و زرخیزی اور معیار و جدت اور "کمال فن" سے مرعوب ہیں، ایسے بھی ہیں جنھوں نے اپنے قلب سے زیادہ علم و ادب اور تعلیم و مطالعہ کی طرف توجہ کی اور اس دل کی اہمیت نہ سمجھی جس دل پر سارا انحصار ہے اور جس کے متعلق قرآن مجید کا ارشاد ہے یوم لا ینفع مال ولا بنون الا من اتی اللہ بقلب سلیم (جس دن نہ مال کام آئے گا اور نہ بیٹے، مگر وہ جو اللہ کے پاس محفوظ اور پاک دل لیکر آیا۔

ایسے بھی بہت ہیں جنھوں نے ان علوم و فنون اور ان وسائل و ترقیات کو "بادۂ ناب" کی مانند تمام سمجھ رکھا ہے اور اپنے محدود و مخصوص دائرے سے باہر نکلنے پر تیار نہیں۔

لیکن ایسے اشخاص یا ایسے اداروں کی تعداد بہت کم بلکہ شاذ و نادر ہے جن کو عقل اور قلب کے اس وسیع و عریض خلا کا صحیح احساس ہو، اور ان نقصانات کا اندازہ ہو جو اس کی وجہ سے نہ صرف ملت اسلامی بلکہ پوری نوع انسانی کو پہونچ رہے ہیں اور جس کی وجہ سے مسلمان اس دنیا کے نقشے میں اپنا وہ صحیح مقام نہیں حاصل کر پا رہے ہیں جو "خیر امۃ" اور "امۃ وسط" کے اعتبار سے صرف انہی کا حق ہے۔

ندوۃ العلماء اس خلا کو پر کرنے اور دل و دماغ کی اس مصنوعی علیحدگی کو ختم کرنے کے لئے وجود میں آیا ہے وہ پورے خلوص، ہوش مندی، تحمل اور پوری سنجیدگی کے ساتھ اس کے لئے جدوجہد میں مصروف ہے اور ہمیں مسرت ہے کہ اب اس کی آواز لوگوں کے لئے مانوس ہے اور اس کی دعوت اور نصب العین کو ان حلقوں اور مرکزوں میں بھی پسندیدگی اور سنجیدگی سے دیکھا جارہا ہے، جہاں ایک زمانہ میں اس کے ساتھ اجنبی اور ناپسندیدہ شخصیت کا سا معاملہ کیا جاتا تھا۔ ہمارے ملک کے حالات اور زمانہ کے انقلابات نے ہم سب کے لئے ایک اچھی فضا پیدا کردی ہے اور اس وقت انقلابی ذہن اور ساتھ ہی احتیاط اور سلامت روی اور صبر و ضبط کے ساتھ ہمیں منزل کی طرف تیزی کے ساتھ بڑھنا چاہئیے

غافل منشین نہ وقت بازی است
وقت ہنر است و کار سازی است

اپنے قارئین سے!

گزشتہ شمارہ میں سال ختم ہونے کی اطلاع تھی، زیر نظر شمارہ سال دوم کا پہلا شمارہ ہے۔ ہم اپنے قارئین اور ہمدردوں کو عام طور پر اور ندوۃ العلماء کے منتسبین کو خاص طور پر ایک مرتبہ پھر توجہ دلاتے ہیں کہ وہ توسیع اشاعت میں آگے بڑھ کر حصہ لیں اور یہ محسوس کریں کہ یہ ندوۃ العلماء کی اس دعوت کی ایک کڑی ہے جسکے لئے یہ ادارہ عرصہ دراز سے مصروف عمل ہے "تعمیر حیات" کے ذریعہ اس جدوجہد کو اور تیز کیا جاسکتا ہے اور اس لحاظ سے ہم سب کو چاہئیے کہ اس کے ساتھ مکمل تعاون کریں اور ایک خدمت اور فرض کی حیثیت سے اس میں دلچسپی لیں۔

پیغام محمدی

از علامہ سید سلیمان ندوی

اسلامی تعلیمات کے وسیع دفتر کو اگر ہم دو مختصر لفظوں میں ادا کرنا چاہیں تو ہم ان کو ایمان اور عمل صالح سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ فلاح اور کامیابی صرف ایمان اور عمل صالح پر موقوف ہے۔ اس لئے اس وقت پیغام محمدی کا صرف وہ حصہ پیش کیا جارہا ہے جس نے ایمان و عمل کے متعلق تمام دنیا کی غلطیوں کی اصلاح کی اور ان اصولی اور بنیادی غلطیوں کو دور کیا جن کی بناپر انسانیت حد درجہ پستی اور گمراہی میں تھی اور وہ غلطیاں ہر قسم کی گمراہیوں کی بنیاد اور جڑ تھیں۔

١۔ ان بنیادی مسئلوں میں سب سے پہلا مسئلہ جو پیغام محمدی کے ذریعہ سامنے آیا وہ کائنات اور مخلوقات الٰہی میں انسانیت کا درجہ ہے۔ اور یہی توحید کی جڑ ہے اسلام سے پہلے انسان اکثر مخلوقات الٰہی سے اپنے کو کم درجہ اور کم رتبہ سمجھتا تھا وہ سخت پتھر، اونچے پہاڑ، بہتے دریا، سرسبز درخت برستے پانی، دہکتی آگ، ڈراونے جنگل، زہریلے سانپ، غرض دنیا کی ہر اس چیز کو جس سے ڈرتا تھا یا جس سے نفع کا خواہش مند ہوتا تھا۔ اور اس کے آگے اپنی عبودیت کا سر جھکاتا تھا۔ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے آکر دنیا کو یہ پیغام دیا کہ اے لوگو! یہ تمام چیزیں تمہاری آقا نہیں ہیں۔ بلکہ تم ان کے آقا ہو۔ اے انسانو! تم اس ساری کائنات میں خدا کے نائب اور خلیفہ ہو، اس لئے یہ ساری کائنات تمہارے زیر فرمان کی گئی ہے۔ وہ تمہارے لئے ہے تم اس کے لئے نہیں ہو۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰہَ	کیا تم نے نہیں دیکھا کہ
سَخَّرَ لَکُمْ	خدا نے جو کچھ زمین میں ہے
مَا فِی الْاَرْضِ ۔ حج ۹	سب تمہارے بس میں دیدیا ہے

اور اس نے رات اور دن کو اور چاند اور سورج کو تمہارے کام میں لگایا اور ستارے اس کے حکم سے کام میں لگے ہیں (نحل ۲۔۲)

اس معنے کی اور بہت سی آیتیں قرآن پاک میں ہیں ان آیتوں کے ذریعے پیغام محمدی نے واضح کردیا کہ انسان کائنات کا سرتاج ہے۔ وہ خلافت الٰہی سے ممتاز ہے۔ وہ خلق کائنات کا مقصود ہے۔ اور ولقد کرمنا بنی آدم اس کا طغرائے امتیاز ہے۔ غور کرو کیا اس حقیقت کے ظاہر ہو جانے کے بعد انسان کیلئے کائنات کے کسی مظہر یا مخلوق کے آگے سر جھکانا جائز ہے؟

نادان انسانوں نے خود ایک دوسرے کو بھی خدا بنایا تھا۔ چاہے وہ اوتار بن کے آئے ہوں یا تخت جبروت پر قدم رکھکر فرعون بنے ہوں۔ یا تقدس کا لبادہ اوڑھ کر قسیس اور راہب کہلائے ہوں یا پوپ یا عالم و درویش بن کر اپنے کو معبود بنوانا چاہا ہو۔ یہ بھی انسانیت کی تحقیر تھی۔ پیغام محمدی نے جڑسے کاٹ دیا۔

وَلَا یَتَّخِذُ بَعْضُنَا بَعْضًا	اور نہ بنائے ہم میں سے
اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ	ایک دوسرے کو اپنا رب
(آل عمران)	خدا کو چھوڑ کر۔

الغرض انسانیت کا درجہ پیغام محمدی کے ذریعہ اتنا بلند ہو گیا ہے کہ اس کی پیشانی سوائے ایک خدا کے کسی کے سامنے نہیں جھک سکتی اور اس کے ہاتھ اس ایک کے سوا کسی اور کے آگے نہیں پھیل سکتے۔

اس پیغام محمدی کو سامنے رکھکر توحید کے مسئلہ کو سمجھو، تو معلوم ہو گا کہ علاوہ اس کے کہ اس نے انسانیت کے درجہ کو کہاں تک بلند کیا۔ توحید کی حقیقت کو بھی کس طرح کھول دیا ہے۔ یہاں "خدا" کے ساتھ کوئی "غیر" نہیں ہے جو کچھ ہے اسی خدا کا ہے۔ غیر کا کچھ نہیں ہے۔ اسی کی حکومت ہے۔ اسی کی سلطنت ہے۔ اور اسی کی فرمانروائی ہے، اسی کا ایک حکم ہے، جو فرش سے عرش تک اور زمین سے آسمان تک جاری ہے۔

عزیزو! اپنے دل پر ہاتھ رکھکر بتاؤ کہ ایک انسان اسی نشۂ خلافت سے سرمست ہو کر کیا کسی غیر خدا کے آگے جھک سکتا ہے؟ اندھیرا ہو یا روشنی، ہوا ہو یا پانی، بادشاہ ہو یا دشمن، جنگل ہو یا پہاڑ، خشکی ہو یا تری، کیا کبھی ایک مسلمان کا دل خدا کے علاوہ کسی سے ڈر سکتا ہے۔ اور کسی ہستی کی پروا کر سکتا ہے، ذرا اس روحانی تعلیم کی اخلاقی قوت کو دیکھو اور پیغام محمدی کی اس بلندی پر غور کرو۔

٢۔ محمد رسول اللہ صلعم کا دوسرا اصولی اور بنیادی پیغام یہ ہے کہ انسان اصل خلقت میں پاک اور بے گناہ ہے خود انسان اپنے اچھے برے عمل سے فرشتہ یا شیطان بن جاتا ہے اور اپنی فطرت کے سادہ دفتر کو سیاہ یا روشن کر لیتا ہے یہ سب سے بڑی خوشخبری اور بشارت ہے جو بنی نوع انسان کو محمد رسول اللہ صلعم کے ذریعہ ملی۔

٣۔ ظہور محمدی سے پہلے دنیا کی یہ کل آبادی مختلف گھرانوں میں بٹی ہوئی تھی۔ لوگ ایک دوسرے سے ناآشنا تھے۔ ہندوستان کے رشیوں اور منیوں نے آریہ ورت سے باہر خدا کی آواز کے لئے کوئی جگہ نہیں رکھی تھی۔ زردشت خاک ایران کی پاک نژاد کے سوا اور کہیں خدا کی آواز نہیں سنتا تھا بنی اسرائیل اپنے خاندان سے باہر کسی رسول اور نبی کی بعثت اور ظہور کا حق نہیں سمجھتے تھے۔ یہ پیغام محمدی ہے۔ جس نے پہلے پہل اترو دکھن ہر طرف خدا کی آواز سنی اور بتایا کہ خدا کی رہنمائی کے لئے "ملک" قوم اور زبان کی تخصیص نہیں۔ اس کی نگاہ میں فلسطین ایران ہندوستان اور عرب سب برابر ہیں۔ ہر جگہ اس کے پیغام کی بانسری بجی۔ اور ہر طرف اس کی رہنمائی کا نور چمکا۔

وان من امۃ	اور نہیں ہے کوئی قوم مگر یہ
الا خلا فیھا	کہ اس میں گذر چکا ایک ہشیار
نذیر۔ (فاطر)۔	کرنے والا۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام ہے کہ ساری دنیا ایک ہی خدا کی مخلوق ہے۔ اور خدا کی نعمتوں میں ساری قومیں اور نسلیں برابر کی شریک ہیں۔ ایران ہو یا ہندوستان، چین ہو یا یونان، عرب ہو یا شام، ہر جگہ خدا کا نور یکساں چمکا جہاں جہاں بھی انسانوں کی آبادی تھی خدا نے اپنے قاصد بھیجے۔ اپنے رہنما اتارے اور ان کے ذریعہ اپنے احکام سے سب کو مطلع فرمایا۔

اسلام کی اسی تعلیم کا نتیجہ ہے کہ کوئی مسلمان اس وقت تک مسلمان نہیں ہو سکتا جب تک دنیا کے تمام پیغمبروں پر پہلی آسمانی کتابوں پر اور گذشتہ زبانی الہاموں پر یقین رکھے۔ جن جن پیغمبروں کے قرآن میں نام ہیں ان کو نام بنام اور جن کے نام نہیں ہیں۔ وہ کہیں بھی گذرے ہوں اور ان کے جو نام بھی ہوں، ان سب کو سچا اور راست باز ماننا ضروری ہے۔

عزیزو! دنیا کی اس روحانی مساوات انسانی اخوت و برادری اور تمام سچے مذہبوں، رہنماؤں اور پیغمبروں کے اس حقیقی ادب و تعظیم اور ان کی یکساں صداقت کا سبق محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا اور کسی نے دیا ہے؟ اب بتاؤ کہ پیغمبر اسلام کی رحمت عام، ہمدردی اور غمخواری کا دائرہ کتنا وسیع ہے کہ اس سے انسانوں کی کوئی بستی اور کسی قوم کا کوئی گھرانا خالی نہیں۔

(بقیہ صفحہ پر)

۴۔ تمام مذہبوں نے جو معبود اور خدا و بندہ کے درمیان واسطے قائم کر رکھے تھے مگر اسلام میں پوجاریوں، کاہنوں، پوپوں اور پادریوں کی کوئی جماعت نہیں ہے۔ یہاں پریسٹ کلاس کا وجود نہیں یہاں کھولنے اور باندھنے کا اختیار صرف خدا کو ہے۔ یہاں گناہوں کی معافی کا حق صرف اللہ کو ہے عبد و معبود اور خدا و بندہ کی عبادت اور راز و نیاز میں کسی غیر کو دخل نہیں ہر شخص جو مسلمان ہے نماز کا امام ہو سکتا ہے۔ قربانی کر سکتا ہے۔ نکاح پڑھا سکتا ہے۔ مذہب کے تمام مراسم بجا لا سکتا ہے۔ یہاں انسانوں کو ادعونی استجب لکم "اے لوگو! (بلا واسطہ) مجھے پکارو میں جواب دوں گا۔" کی صدائے عام ہے اس کے آگے جھک سکتا ہے۔ اور دل کی عقیدت کے نذرانے بے واسطہ پیش کر سکتا ہے۔ یہ سب سے بڑی آزادی ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے انسانوں کو عطا ہوئی۔

۵۔ انسانوں کی تعلیم و ہدایت کیلئے جو مقدس ہستیاں وقتاً فوقتاً آتی رہیں۔ ان کے متعلق ابتدائے قوموں میں حد درجہ عقیدت مندی کی افراط و تفریط رہی ہے۔ افراط یہ تھی کہ ناداں نے ان کو خود خدا یا خدا کا مثل یا خدا کا روپ اور مظہر ٹھہرایا دوسری طرف تفریط یہ تھی کہ بنی اسرائیل کے نزدیک ہر وہ شخص جو پیشنگوئی کر سکتا تھا نبی اور پیغمبر تھا اسلام نے اس منصب عظیم کی صحیح حیثیت مقرر کی اور بتایا کہ انبیاء نہ خدا ہیں نہ خدا کے مثیل ہیں، نہ خدا کے اوتار ہیں نہ خدا کے بیٹے اور رشتہ دار ہیں۔ وہ آدمی ہیں اور محض آدمی ہیں۔ تمام انبیاء بشر تھے اور آخری پیغمبر نے خود اپنے متعلق کہا کہ میں بشر ہوں "کہدے اے پیغمبر میں بھی تمہاری ہی طرح بشر ہوں"

دوسری طرف یہ بتایا گیا ہے کہ گو وہ انسان اور بشر ہیں لیکن اپنے کمالات کی حیثیت سے تمام انسانوں سے مافوق ہیں۔ ان پر خدا کی وحی نازل ہوتی ہے۔ وہ بےگناہ اور معصوم ہوتے ہیں۔ وہ خدا کے خاص، سچے اور مطیع بندے ہیں جن کو خدا تعالیٰ اپنی رسالت اور پیغمبری کے منصب سے سرفراز کرتا ہے۔

یہ ہے اعتدال اور درمیانی راہ جو پیغام محمدی نے انبیاء اور رسولوں کی نسبت قائم کی ہے۔ جو ہر قسم کی افراط و تفریط سے پاک ہے۔ اور اس مذہب کے مناسب ہے۔ جس نے دنیا میں توحید کی تکمیل کی۔

خط و کتابت کرتے وقت خریداری نمبر کا حوالہ دینا ضروری ہے

(بقیہ دیارِ غیر میں)

کام نہ تھا اس لئے "ایسٹرن زون" کی طرف گیا۔ یہاں کا دار المطالعہ کافی چھوٹا ہے ایک کمرہ ہے جس میں ۳۲ سیٹیں ہیں۔ اسی کمرے میں عربی، فارسی، اردو، بنگالی اور تمام مشرقی زبانوں کے کیٹلاگ ہیں۔ جس کتاب کا مطالعہ مقصود ہو اس کا نام اور نمبر چھپی ہوئی چٹ پر خانہ پری کر کے متعین ملازم کو دیدیجئے، قلمی کتاب ۱۰ منٹ میں اور مطبوعہ کتاب ۱۲ منٹ میں آجائے گی۔ جاتے وقت کتاب لائبریری کے ملازم کو دیدیجئے اور ساتھ یہ بھی بتا دیجئے کہ اس کو آپ پڑھ چکے ہیں واپس کر دی جائے یا پھر آکر آپ دیکھیں گے۔ دوسری شکل میں کتاب آپ کی سیٹ پر پڑی رہے گی۔ اور جب تک کتاب آپ کی سیٹ پر ہے کوئی دوسرا اس پر قبضہ نہیں کر سکتا۔ دار المطالعہ کے اندر روایتی خاموشی طاری رہتی ہے۔ یہاں سے کتابیں ایشو نہیں ہوتیں۔ برخلاف اس کے انڈیا آفس کی لائبریری سے ایک وقت میں آٹھ کتابوں تک باہر لے جانے کی اجازت ہے۔ مجھے انڈیا آفس لائبریری کا کارڈ بھی مل گیا تھا۔ مگر وہاں سے فائدہ نہیں اٹھا سکا کیونکہ وقت ہی بہت مختصر تھا۔ دوسرے کوئی متعین کام شروع نہیں کیا تھا۔ جن کتابوں کی عکسی نقل لینا منظور ہو اس کے لئے ایک فارم بھرنا پڑتا ہے اور وقت مقررہ پر لائبریری کا عملہ بتا دیتا ہے کہ اس پر یہ لاگت آئے گی وہ رقم ادا کرنے کے بعد وہ خود ہی دن تاریخ بتا دیتا ہے کہ کب آپ کو نقل مل جائے گی۔ قانون ہر ایک کے لئے یکساں ہے اور کسی طرح کی کوئی تمیز کسی بنیاد پر نہیں ہے۔ (باقی)

(بقیہ خیالی جنت)

ایک طرف تو روسی عوام کا یہ حال ہے کہ روٹی کا ایک لقمہ اور بدن ڈھانکنے کے لئے گز بھر کپڑے کا حصول ان کے لئے دشوار ہے اور دوسری طرف روس کے غریب پرور اور محنت کش عوام کے نمائندے وزراء اور حکمرانوں کا یہ حال ہے کہ ان کی تیاگ کیا ہیں "اگر فردوس بر روئے زمین است" کا منظر پیش کرتی ہیں کریملن میں کوئی جا کر استالن، خردشچوف اور ان کے موجودہ جانشینوں کا ٹھاٹ باٹ دیکھے ___ اپنی تنہا ذات پر ملک کے تمام ذرائع اور وسائل یہ مزدوروں کے نمائندے صرف کر رہے ہیں خردشچوف صاحب جب ۱۹۶۰ء میں اقوام متحدہ (U.N.O) کی جنرل اسمبلی میں خطاب کرنے کیلئے امریکہ پہونچے ہیں تو ان کا ہوائی جہاز اتنا بڑا تھا کہ امریکہ میں کوئی ایسی سیڑھی نہیں تھی جسے اس پر فٹ کیا جا سکتا۔

۱۹۵۵ء میں جب بلگانن اور خردشچوف ہندوستان کا دورہ کر رہے تھے تو معلوم ہوا کہ ان کیلئے روزانہ ایک ہوائی جہاز

ماسکو سے پرواز کرتا ہے جو روس کے تازہ اخبارات مثلاً "پروادا" وغیرہ یہ جہاں بھی رہتے ہیں وہاں انھیں پہنچاتا ہے اس قسم کی سینکڑوں مثالیں دی جا سکتی ہیں۔ ترقی پسند ادبی تحریک کے علمبرداروں کا یہ حال ہے کہ یہ ایر کنڈیشن فلیٹ میں رہتے ہیں۔ شراب ان کا محبوب مشغلہ اور فلمی دنیا کے ہزاروں روپے کی آمدنی ان کا ذریعۂ معاش ہے مگر جو کچھ لکھتے ہیں یا کہتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ غربت و افلاس کی چکی میں پسنے والے اور بھوک و بیماری کی آغوش میں پلنے والے یہ غریبوں کے ہمدرد اور مزدوروں کے غمخوار ہیں۔ مجاز کا ایک مشہور لطیفہ ہے کہ جب انہیں بمبئی کی انجمن ترقی پسند مصنفین کے ایک جلسہ میں تقریر کرنے کو کہا گیا تو انھوں نے اپنی تقریر سے بچنے والی عادت کی وجہ سے تقریر سے انکار کیا مگر جب لوگوں کا اصرار بڑھا تو مجاز کہنے لگے۔

"حضرات! ہم دنیا میں تو یہ سنتے اور دیکھتے چلے آئے ہیں کہ لوگ جھونپڑوں میں رہ کر محلوں کا خواب دیکھتے ہیں مگر چونکہ ہم ترقی پسند ہیں لہٰذا ہم محلوں میں رہ کر جھونپڑوں کا خواب دیکھتے ہیں"

عصر حاضر کے ایک اسلام دوست شاعر ماہر القادری نے صحیح کہا ہے کہ ؎

یہی وہ لوگ ہیں جو سرخ سویرے کیلئے
خون مزدور شرابوں میں ملا دیتے ہیں

اور اقبال تو عرصہ پہلے کہہ چکے ؎

زمام کار اگر مزدور کے ہاتھوں میں ہو تو کیا
طریق کوہ کن میں بھی وہی حیلے ہیں پرویزی

عظیم الشان تبلیغی اجتماع

مورخہ ۳۰ نومبر اور یکم و ۲ دسمبر ۱۹۶۲ء کو تین یوم متواتر بمقام مراد آباد میدان عیدگاہ میں ایک عظیم الشان تبلیغی اجتماع ہوگا۔

جس کیلئے اعلیٰ پیمانہ پر انتظامات جاری ہیں۔ انشاءاللہ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب مدظلہٗ اور دیگر اکابر امت اس اجتماع میں خطاب فرمائیں گے۔ اور دور دور سے جماعتوں کی شرکت کی بھی توقع ہے۔ یہ امید کی جا رہی ہے کہ اس علاقہ کا بہت بڑا اجتماع ہوگا۔ اور اندازہ کیا جا رہا ہے کہ ۴۰۔۵۰ ہزار اشخاص اس میں شرکت کریں گے۔

چند دن دیارِ غیر میں

یورپ کی کہانی ندوی سیاح کی زبانی

(۶)

مولانا عبداللہ عباس ندوی

کیو گارڈن

ایک اتوار کو مسز زونہ سر (لینڈ لیڈی) نے کہا کہ مجھے تمہیں دیکھکر ترس آتا ہے کہ ہمیشہ تنہا گم سم اپنے کمرے میں بند رہتے ہو کسی ہفتہ کے خاتمہ پر (ویک اینڈ) تمہیں باہر کی سیر (آؤٹنگ) وغیرہ پر نہیں جاتے دیکھا۔ میں نے کہا ابھی کافی دن رہنا ہے جب چاہیں گے دو تین روز خاص اسی کام پر صرف کر کے پورے لندن کی سیر کر لیں گے اس نے کہا کہ اگر تم نے "کیو گارڈن" نہیں دیکھا تو تم کو یہ کہنے کا حق نہیں ہے کہ تم نے لندن کو دیکھا ہے۔ میری خواہش پر اس نے ایک پرچہ پر بس کا نمبر اور راستہ کی تفصیل لکھ دی۔ اسی کی مدد سے ہم وہاں پہونچ گئے۔ باغ کیا تھا ایک بستی تھی عجائب خانوں کے انداز کا لق و دق باغ، چار پانچ گھنٹے گذرنے کے بعد بھی بہت سی چیزیں دیکھنے سے رہ گئیں۔ گیٹ پر ٹکٹ کے ساتھ باغ کا نقشہ، اس کی خصوصیات، قابل دید مقامات کے نام مل گئے تھے اس باغ کی خصوصیت یہ ہے کہ دنیا کے ہر ملک اور ہر حصے کے پودے، درخت، پھل، پھول کانٹے اپنی قدرتی حالت میں موجود ہیں ہر موسم کے پھل اور پھول پوری شادابی کے ساتھ ملیں گے۔ بڑے بڑے شیشوں سے گھرے ہوئے ہال میں دہان برقی طاقت سے وہ مصنوعی موسم پیدا کیا گیا ہے جس میں وہ خاص پودے اپنی قدرتی نشو و نما کے ساتھ رہتے ہیں۔ مثلاً ایک ہال میں گئے تو وہاں سخت گرمی تھی اور اوپر سے ہلکی ہلکی بارش (مصنوعی) ہو رہی تھی یہاں مشرقی افریقہ اور بنگال کے پودے تھے۔ ایک ہال میں سخت سردی تھی وہاں ٹھنڈے ملکوں کے درخت تھے کہیں معتدل گرمی تھی۔ غرض یہ کہ ہر موسم اس باغ میں موجود تھے۔ مجھے نباتات سے کوئی واقفیت نہیں ہے۔ اور نہ چند درختوں کے علاوہ کسی کی شناخت کر سکتا تھا۔ لیکن قدرت کے ایسے ایسے کرشمے دیکھنے میں آئے کہ عقل دنگ رہ گئی۔ تالابوں میں پرورش پانے والے پودے ایسے کہ انسان گھنٹوں کھڑا ان کو دیکھتا رہے اور طبیعت سیر نہ ہو۔ ایک ایک پتے ایسے جیسے معلوم ہو کہ انتہائی خوبصورت طشت رکھے ہیں۔ ایک علاقہ کانٹوں کا تھا، جہاں جائیے تو جسم کے رونگٹے کھڑے ہو جائیں۔ سانپ اور بچھو کی شکل کے پودے اور اس میں باریک باریک کانٹے۔ ایک کی لمبائی چار فیٹ کی تھی پھولوں کی کیاریاں دیکھئے تو معلوم ہو کہ شعر بہار اور برشگال پر جو مضامین باندھے ہیں وہ سب ہیچ ہیں۔ ایک تالاب کے ارد گرد پھولوں کی اس عجیب بیزی کو دیکھکر بے اختیار حماسی شاعری کا یہ قطعہ یاد آگیا جو معلوم کب سے حافظہ کے کسی گوشے میں پڑا تھا اور جب سے ندوہ کی ادبی صحبتوں سے جدا ہوا ہوں شاید ہی کبھی اس کو دہرایا ہو۔

ولما نزلنا منزلا طله الندی
انیقا و بستانا من النور حالیا
اجد لنا طیب المکان وحسنه
منی فتمنینا، فکنت الامانیا

(کلیوں کے زیورات سے آراستہ باغ میں جب ہم آئے پھولوں پر شبنم کے موتی دیکھے تو اس مقام کے رنگینی و دلفریبی نے تمناؤں کو از سرِ نو زندہ کر دیا، جی چاہا کہ تمنا کروں، تمنا کی اور میری ان تمام تمناؤں کا مجموعہ تم ہی تھے۔)

علامہ اقبال نے ساقی نامہ میں جو منظر کشی کی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ کشمیر کے نشاط باغ کی نہیں بلکہ لندن کے کیو باغ کی ہے۔ اس کے دو تین شعر سنئے

خوشا روزگارے خوشا نوبہارے
نجوم پریں است از مرغزارے
زمیں از بہاراں چو بال تذروے
ز فوارہ الماس بار آبشارے
نہ پیچد نگہ جز کہ در لالہ و گل
نہ غلطد ہوا جز کہ بر سبزہ زارے

کیو اس شخص کا نام تھا جس نے انگلستان میں ہر ملک کے پودے جمع کرنے کی مہم شروع کی تھی۔ چنانچہ اس کی تحقیقات کتابیں، یادداشتیں سب اسی باغ کی ایک عمارت میں محفوظ ہیں جو میوزیم کے طور پر ہے۔ جن لوگوں کا موضوع بیالوجی ہے ان کے لئے بلاشبہ یہ باغ ایک زندہ تجربہ گاہ ہے۔

برٹش میوزیم۔ لندن کے ۳ ماہ قیام میں سب سے زیادہ جہاں آنا جانا رہا وہ برٹش میوزیم تھا۔ میوزیم پانچ منزلہ اور نوادرات نبی سے پر ہے۔ مگر افسوس کہ میں اس کو تفصیلی طور پر نہ دیکھ سکا۔ کیونکہ دار المطالعہ کا اجازت نامہ ڈاکٹر بیگ کی مہربانی سے جانے کے بعد ہی حاصل ہو چکا تھا۔ اس لئے وقت کو غنیمت سمجھا۔ دوسری طرف توجہ کرنیکا موقع نہیں ملا۔ کبھی دار المطالعہ کے کھلنے سے چند منٹ پہلے پہونچ گئے تو سرسری طور پر ایک آدھ ہال کی سیر کر لی۔ زیادہ تر قدیم ترین مورتیاں دیکھیں جن کے بارے میں تختیوں پر لکھا ہوا ہوتا تھا کہ یہ دوسری صدی عیسوی کی ہے یہ قبل مسیح فلاں سن کی ہے یہ فرعون (رمسیس ثانی) کا مجسمہ ہے۔ یہ توت عنخ امون کا مجسمہ ہے۔ یہ ایک مستقل فن تھا اس سے دلچسپی پیدا کرنا اور سمجھنے اور سمجھ کر ان کاوشوں کی قدر دانی کرنے کے لئے ایک وقت درکار ہے۔ فرعون (رمسیس ثانی) کے مجسمے سے ذرا دلچسپی کی وجہ تھی کہ اس کا ذکر قرآن کریم میں بار بار آیا ہے مگر مصر میں اس کثرت سے اس کو دیکھ چکے تھے کہ یہاں کوئی ندرت نظر نہیں آئی۔ واضح رہے کہ مصری حکومت نے اسٹیشنوں، ایرپورٹ اور عام پبلک گذرگاہوں پر یہ مجسمے نصب کر دیئے ہیں۔ کیونکہ ان کی قومی تحریک کو اس سے قوت پہنچتی ہے اور تاکہ فرعون کے نام سے جو ایک نفرت کا تصور وابستہ ہو گیا ہے اس کو ختم کیا جائے۔ موجودہ مصری حکومت نے تو کافی لٹریچر اس پر تیار کر دیئے ہیں کہ فراعنہ مصر کی تقدیس عظمت قومی محبت کا نشان ہے اور وہ مصری قوم کا غدار اور خائن ہے جو اپنے آپ کو فرعونی نسل سے علیحدہ سمجھے اور اس پر فخر نہ کرے۔ بہرحال مصر کا ذکر غیر ارادی طور پر نکل آیا۔ ذکر برٹش میوزیم کا ہے یہاں کی خاص چیز کتب خانہ ہے ایک "نادر زون" ہے جس میں مغربی زبانوں پر کتابیں ہیں۔ یہ بہت وسیع اور منظم ہے۔ مصنفوں اور ریسرچ کرنیوالوں کے لئے بہت اعلیٰ انتظامات ہیں ایک وقت میں دو ہزار طالب علم کام کر سکتے ہیں۔ ہر سیٹ کے آگے شلف ہے اس پر نمبر پڑا ہے۔ اگر آپ کو کارڈ مل گیا ہے تو اندر جا سکتے ہیں وہاں جو سیٹ خالی ہے اس پر قبضہ کر لیجئے۔ قبضہ کی علامت یہ ہے کہ کوئی کاپی، پنسل، کاغذ، بیگ وغیرہ شلف پر رکھ دیجئے۔ پھر وہاں کوئی نہیں بیٹھے گا۔ لائبریری کا پورا عملہ ہر طرح کی مساعدت کیلئے تیار ہے ہال میں بیک وقت سیکڑوں طالب علم کام کرتے ہوتے ہیں۔ مگر کیا مجال کہ ذرا کھانسنے کی بھی آواز سنائی دے۔ کسی کو بات کرنا ہو تو انتہائی سرگوشی کے انداز میں ضروری ایک دو لفظ میں بولا اور علیحدہ ہوا۔ میں پہلی بار پہونچا تو تلاش کرنے کے بعد ایک سیٹ پر قبضہ کرنا چاہا ایک خاتون طالب علم نے کاغذ کے پرچہ پر لکھ کر بتایا کہ یہ سیٹ خالی ہے آپ قبضہ کر سکتے ہیں۔ گویا یہ ایک نووارد کی مدد تھی اور ساتھ یہ بتانا بھی مقصود تھا کہ یہاں کم سے کم بولا جاتا ہے مجھے چونکہ "نادرن زون" سے

(بقیہ صفحہ پر)

ملت کو مبارک ہو نئے دور کا آغاز

حبیب اللہ پالن پوری

مل بیٹھے ہیں پھر حلقہ بگوشانِ حرائی
راس آئے مسلماں کو یہ توحید ادائی

ملت کو مبارک ہو نئے دور کا آغاز
مدت سے جو ہر دل کی تمنا تھی بر آئی

سنتے تھے ہر اک سمت فرشتوں کی صدائیں
اے وحدتِ ملت تو کہاں ؟ تو کہاں ہے ؟

مسلم تھے مگر الفتِ اسلام سے بیزار
آپس میں یوں برہم تھے کہ اللہ دہائی

الحمد للہ کہ ملت ہوئی بیدار
تازہ ہے شہیدوں کا ابھی خون حنائی

اللہ کرے زندہ و پائندہ ہو وحدت
وحدت ہی کے در پر ہو تری ناصیہ سائی

قرآں میں کر غور بحوث سے نہ ہو دور
ہر تفرقہ بازی ہے محمدؐ سے جدائی

صد پارہ ہو گر اس سے مسلمان کی وحدت
الحاد سے کچھ کم نہیں الحام سرائی

ملت کی نگہباں ہے فقط وحدتِ ملت
وحدت ہو جو خوددار تو پربت بھی ہے رائی

اللہ کی رحمت ہے خیالات کی وسعت
رحمت کی نظر تنگ، نگاہی نے گنوائی

پوشیدہ ہے پنہائی گلزار و دمن میں
صد لالہ و گلزار کی رنگین ردائی

اللہ کرے قافلہ سالار کے افکار
وسعت میں سمندر ہوں بلندی میں سمائی

شاعر سے سمجھ ملتِ بیضا کی حقیقت
سلمانؓ کلاہی و سلیمانؑ قبائی

ہمت ہو تو کر اپنے ہی بازو پہ بھروسہ
سن یاس سے کمتر نہیں ہے آس پرائی

بے آبلہ پائی نہیں اس دشت کی لذت
کرنے دے اگر کرتے ہیں انگشت نمائی

روشن ہو ترے دل میں اگر شعلۂ امید
تو کلک قضائی ہے تو ہی ظلِ ہمائی

جب روح غزل خواں ہے تو پھر آئیں عجب کیا
کچھ رنگ جو لائے مری آشفتہ نوائی

ــــــــــ

۱ ان الذین فرقوا دینہم وکانوا شیعا لست منہم فی شیء۔
۲ اختلاف امتی رحمۃ ۔ حدیث

حسرت!

قاضی محمد شکیل عباسی ندوی

یہ کیوں کہ موت چلی آئے گھر میں بے کھٹکے
یہ کیا کہ کوئی خود اپنے صحن میں رہنے نہ پائے

کوئی تو وادیٔ نکہت میں پائے آبِ حیات
کوئی احاطۂ سرو سمن میں رہنے نہ پائے

عجیب رسم ہے اس دیس کی خدائی کی
کہ شمع اپنی کسی انجمن میں رہنے نہ پائے

اتار لیتے ہیں گل کی قبا بوقتِ وداع
کہ ایک تار کہن بانکپن میں رہنے نہ پائے

کفن سے کھینچتے ہیں اس طرح لباس وجود
کہ ایک سانس کہیں حسن ظن میں رہنے نہ پائے

پھر آہ جسم کو تابوت میں اٹھاتے ہیں
کہ زندگی کا گماں بھی ذہن میں رہنے نہ پائے

شکیلؔ بزم و چمن کا تو ذکر ہی کیا ہے
کوئی جو چاہے تو اپنے بدن میں رہنے نہ پائے

قطعہ

ترا تن روح سے ناآشنا ہے
عجب کیا آہ تیری نارسا ہے
تن بے روح سے بیزار ہے حق!
خدائے زندہ زندوں کا خدا ہے

اقبالؔ

مبالغہ آرائی اور رنگ آمیزی

سعید الرحمٰن الاعظمی

بے اصل اور لایعنی باتوں کو اکثر لوگ خرافات سے تعبیر کرتے ہیں، اس لفظ کا قصہ یوں بتایا جاتا ہے کہ عرب میں قبیلۂ جہینہ کے ایک شخص کا نام "خرافہ" تھا جسکو جنوں کی ایک جماعت اچک لے گئی تھی اور وہ ان کے پاس ایک مدت تک مقیم رہا، پھر جب اس کو رہائی حاصل ہوئی اور اپنی قوم میں واپس آیا تو وہ بے شمار ایسی ایسی باتیں اور قصے بیان کرنے لگا کہ بالآخر لوگ اس کی صداقت پر شبہ کرنے لگے، اور کچھ ہی دنوں بعد وہ اپنی دروغ بیانی اور مبالغہ آمیزی میں ایسا مشہور ہوا کہ خرافہ ہر بے اصل اور لایعنی بات کا نام پڑ گیا، اور اسی وقت سے خرافات کی اصطلاح چل پڑی۔

یہ قصہ تاریخی حیثیت سے چاہے جیسا کچھ بھی ہو، لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ کذب بیانی اور مبالغہ آمیزی میں بڑی لذت ہے، مثلاً ایک باتونی شخص کو آپ لے لیجئے، اس کو جتنی دلچسپی مجلس آرائی اور مبالغہ آمیز گفتگو سے ہوگی اتنی شاید کسی اور چیز سے نہ ہو، چنانچہ وہ اپنی اس ہوس کو پوری کرنے کے لئے بے حقیقت واقعات کو اصل بنا کر پیش کرنے اور اس میں رنگ آمیزی کرنے کے لئے صلاحیتوں کا استعمال کرتا ہے، وہ لوگوں کو ہنساتا ہے اور ان کو متاثر ہوتے ہوئے دیکھ کر بے حد خوش ہوتا ہے،

ہمارے معاشرہ میں ایک بڑی تعداد ایسے لوگوں کی موجود ہے جن کا مزاج ہی یہ ہے کہ وہ ہر بات کو رنگ بھر کر اور اس کو مبالغہ کے ساتھ بیان کریں، اس طرح کے لوگ اکثر دوسروں سے سنی ہوئی بات یا کسی واقعہ کو اس طرح نقل کرتے ہیں کہ اگر وہ معمولی اور ناقابل اعتنا ہو تو بہت زیادہ ہیبت ناک اور قابل توجہ بن جائے، وہ ایک بات میں کئی بات اور ایک پہلو میں متعدد پہلو ملا کر کچھ اس طرح بیان کرتے ہیں کہ سامعین پر اثر پڑنا ضروری ہوتا ہے۔

یہ ایک عادت یا معمول ہے جس میں علم و جہل افراد و جماعت اور چھوٹے بڑے کا کوئی دخل نہیں ہے بلکہ ایک واقعہ پیش آتا ہے، جو اپنی عمومیت کے لحاظ سے سب پر عیاں ہے، مجالس و محافل میں اس کا چرچا ہے، اخبارات میں اس کی خبریں شائع ہو رہی ہیں، لیکن آپ دیکھیں گے کہ جتنی مختلف مجالس ہیں اتنی ہی مختلف باتیں ہو رہی ہیں، وجہ بالکل ظاہر ہے کہ ہر شخص اس خبر یا واقعہ کو زیادہ سے زیادہ ... ... اہم بنا کر پیش کرنا چاہتا ہے تاکہ اسی کے مطابق اس کی اہمیت کا اظہار ہو سکے، اور کسی نہ کسی پہلو سے وہ لوگوں کی نگاہوں میں ممتاز نظر آئے

کسی بات کو پھیلا کر اس کو اہم بنانے میں لاشعور کا وہ جذبہ کام کرتا ہے جس میں انسان کو اپنی شخصیت کا احساس ہوتا ہے۔ یہی احساس بعض وقت بہت زیادہ مبالغہ آمیزی پر مجبور کرتا ہے، جہاں سے ایک معمولی حیثیت کا انسان تھوڑی دیر کے لئے ایک بڑی شخصیت کی شکل میں اپنے آئینے میں دکھائی پڑتا ہے۔

مبالغہ آمیزی یا کذب بیانی ایک ہی جنس کی دو چیزیں ہیں۔ اس جنس میں چونکہ نفس کو بے حد لذت اور خوشی محسوس ہوتی ہے اس لئے اس کی طرف میلان ہونا ایک فطری بات ہے نفس کے اس میلان کو اگر کوئی چیز روک سکتی ہے تو وہ صرف دینی بیداری یا خدا کا خوف ہی ہو سکتا ہے، سچ بولنے میں بعض اوقات بظاہر خسارہ اور جھوٹ میں نفع نظر آتا ہے لیکن اس کے باوجود جھوٹ کا باطنی خسارہ اس قدر بھیانک ہے کہ اس کی مثال معاشرہ میں قدم قدم پر ملتی ہے، چور اپنی چوری میں ماخوذ ہو جاتا ہے تو وہ مختلف طریقوں اور جھوٹ کے ذریعہ اپنی بے گناہی کو ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے لیکن جونہی کوئی فوری اور تکلیف دہ سزا اس کو ملی فوراً اپنی غلطی کا اقرار کر لیتا ہے۔ حالانکہ اگر وہ سچ بولتا اور اپنی چوری پر ندامت کا اظہار کر لیتا تو شاید اس کو یہ سزا بھی نہ بھگتنی پڑتی، نفس کے اسی رجحان کو بدلنے کے لئے شریعت نے بار بار معاشرہ کی اس خطرناک بیماری کی طرف توجہ دلائی ہے اور اس سے باز رہنے کی ترغیب دی ہے"

اس کے برعکس دنیا کے کسی بھی معاشرہ کو آپ لے لیجئے وہیں بھی جھوٹ، مبالغہ آمیزی اور دروغ بیانی سے روکنے کے لئے کسی قانون یا جھوٹ بولنے پر کسی خاص قانونی سزا کا وجود نہیں ہے، اگر ہم غور کریں تو یہ بات بالکل صاف طور سے نظر آتی ہے کہ جس معاشرہ کے افراد آپس میں کذب بیانی روا رکھتے ہوں وہ ہرگز کامیاب اور موثر سوسائٹی قائم کرنے کی اہلیت نہیں رکھتے اور نہ وہ دنیا میں کوئی ذہنی یا فکری انقلاب برپا کرنے کی استطاعت رکھتے ہیں۔

اسلامی معاشرہ اپنے پہلے دور میں جن خصوصیات کا حامل تھا۔ ان میں حق گوئی اور بے باکی کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ تاریخ میں اس کی مثالیں کثرت سے موجود ہیں، بڑے بڑے بادشاہوں کے سامنے حق گوئی و راست بازی کا وہ معیار اس معاشرہ کے افراد نے قائم کیا جس کی مثال اب مفقود ہے، یہی وجہ تھی کہ وہ سوسائٹی نہایت پاک و صاف اور اخلاقی اقدار کا ایک اعلیٰ نمونہ تھی، وہاں کذب و افترا، اور ریاکاری و مصلحت بینی کا کہیں وجود نہ تھا۔

لیکن زمانہ جوں جوں گذرتا گیا اخلاقی انحطاط بھی رونما ہوتا گیا اور اب اسلامی معاشرہ میں وہ ساری خرابیاں اور وہ تمام خطرناک بیماریاں داخل ہو چکی ہیں جو نہ صرف چند افراد یا کسی جماعت کے لئے خسارہ و ہلاکت کا باعث ہیں بلکہ پوری سوسائٹی اس خطرہ سے دوچار ہے، قدم قدم پر ایسی مثالیں ملتی ہیں جن میں سراسر اخلاقی انحطاط اور ذہنی گراوٹ کی کارفرمائی ہوتی ہے۔

معاشرہ کا ایک شخص کبھی اپنے دوسرے ساتھی کے لئے کسی عزت، اچھائی اور بلندی کو نہ صرف یہ کہ گوارا نہیں کر سکتا بلکہ اس کی پوری کوشش یہ ہوتی ہے کہ عزت و بڑائی اس شخص سے منتقل ہو کر اس کی طرف آجائے۔ اگر صرف اتنا ہی ہوتا کہ کسی کی عزت و بلندی کو دیکھ کر تمنا ابھرتی کہ وہ اس کے اندر باقی رہتے ہوئے اپنے اندر بھی پیدا ہو جائے تو زیادہ نقصان دہ نہ تھا، لیکن نفس کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ

- دوسرے کو نقصان پہنچا کر خود فائدہ حاصل کرنا،
- دوسرے کو ذلیل کر کے خود عزت و وقار پانا،
- دوسرے کو محتاج بنا کر خود صاحب دولت ہونا،

میں سمجھتا ہوں کہ ان خرابیوں کی ایک ہی وجہ ہے، اور وہ یہ ہے کہ کذب کے ساتھ حسد بھی پوری طرح اپنا کام کرتا ہے، ذہن کے اس رجحان کو بدلنے کے لئے پہلے انھیں چھوٹی چھوٹی بیماریوں کا خاتمہ کرنا ہوگا، اور اس کے لئے اجتماعی کوشش سے پہلے انفرادی کوشش کی ضرورت ہے، اس کے بغیر ساری کوششیں بے سود اور تمام تگ و دو بے کار ہے۔

مشرقی جرمنی نے کمیونزم کے آمرانہ نظام کو بالکل بے نقاب کرکے رکھ دیا ہے

اترے ہوئے چہرے، بے رونق بازار، کم معیار کا تمدن اور بے بسی کا انداز مشرقی برلن کا سب سے نمایاں وصف ہے

"پیتے ہیں لہو دیتے ہیں تعلیم مساوات"

مولانا محمد رابع ندوی نے جو مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے ہمراہ جنیوا، انگلینڈ اور جرمنی وغیرہ کے دورہ پر گئے تھے۔ برلن سے اپنے تاثرات و مشاہدات لکھتے ہیں، اس کے پڑھنے سے اندازہ ہوگا کہ مشرقی جرمنی ایک بہت بڑا "قید خانہ" ہے جہاں انسانی ضمیر اور آزادئ فکر بے معنی الفاظ ہیں، یہ خط انگلینڈ کے متعلق بھی بہت سے دلچسپ معلومات پر مشتمل ہے!

میونخ۔ جرمنی ۲۰-۱۰-۶۴ء

برادر مخدوم و معظم[1] مدظلہٗ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

- - - - - - - الحمد للہ ہم لوگ بعافیت ہیں، مصروفیت اور سفر کے تسلسل کی وجہ سے جلدی جلدی خط لکھنا اور تفصیلی طور پر لکھنا مشکل ہو جاتا ہے، لندن سے جو خط ارسال کیا تھا اس میں جنیوا کے دوران قیام کا حال تھا۔ لندن میں ۱۰ روز رہنا ہوا، اور ایک اور ہی دنیا دیکھی۔ اتنا بڑا شہر کہ دنیا کے بعض ملکوں کی آبادی کے برابر آبادی رکھتا ہے۔ اس میں چند روز قیام ظاہر ہے کہ ناکافی ہے پھر بھی اختصار کے ساتھ تھوڑا بہت دیکھ لیا جس کی تفصیل کے لئے وقت چاہئے - - - - - - - - -

لندن سے جرمنی - - - - - - - - - آنے کا پروگرام تھا پہلے اس کے مغربی وسطی شہر آخن اور کولون، پھر برلن، پھر جنوبی شہر میونخ پروگرام میں تھے۔ ۱۴ اکتوبر کو کولون آئے وہاں سے آخن یہ دونوں کئی کئی لاکھ کی آبادی کے شہر ہیں لیکن اصل خصوصیت یہاں کی ٹیکنیکل تعلیم ہے جس کے باعث ان کو پورے جرمنی کے شہروں میں اچھا مقام حاصل ہے، کولون اتر کر پہلی بار جرمنی کو دیکھا نہایت منظم ترقی یافتہ آراستہ ملک ہے، سڑکوں کی چوڑائی تجارتی کثرت اور عمدگی، عمارتوں کا طرز اور معیار، لوگوں کی شائستگی مصروفیت و سنجیدگی پورے یورپ میں ممتاز معلوم ہوتی ہے سوئٹزرلینڈ کو دیکھا پھر انگلینڈ کو دونوں سے جرمنی کو ممتاز پایا بڑی سڑکوں کا ایک جال ہے جو آٹوبان سڑک کے نام سے موسوم ہے۔ یہ ہٹلر کے زمانے کی بنی ہوئی ہے۔ اچھی سڑک کی جو خصوصیات ہو سکتی ہیں وہ اس میں پوری پائی جاتی ہیں یہ سڑک ہٹلر کا بڑا کارنامہ سمجھی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ شہر کی سڑکیں بھی بہت اچھی ہیں کولون سے آخن آنے کے لئے کار پر بچاس ساٹھ میل کا راستہ طے کرنے کا موقع ملا راستہ میں گاؤں، قصبات سے گذرنا ہوتا تھا۔ اس طرح پورے جرمنی کے گاؤں اور قصبات پر بھی نظر پڑی۔ ان میں سے بہتر سے بہتر اور معمولی گاؤں، اچھی عمارتوں، سڑکوں اور دوکانوں کے لحاظ سے ہمارے حضرت گنج کا معیار رکھتا ہے۔ تمدن کا یہ معیار اب تو یورپ کے تمام ہی خطوں اور ملکوں کا ہو گیا ہے یہ سوئٹزرلینڈ، انگلینڈ اور دوسرے تمام ممالک میں بھی ملے گا لیکن اندازہ یہ ہے کہ جرمنی ان سب میں زیادہ ممتاز ہے۔

جرمنی میں ایک خاص بات یہ دیکھی کہ جنگ میں اس کے شہروں کی تمام عمارتیں مسمار ہو چکی تھیں۔ بعض بعض محلے تو صرف میدان رہ گئے تھے۔ ایسا ہی آخن ہے۔ اس کے متعلق معلوم ہوا کہ شہر کی کوئی عمارت نہیں بچی تھی لیکن اب دیکھئے تو معلوم نہیں ہوتا کہ کبھی اس شہر کو تباہی کا سامنا کرنا پڑا اور یہ اس معاملہ میں تنہا نہیں ہے، بلکہ جرمنی میں تقریباً تمام شہر اسی حال سے گذرے لیکن اب ان پر تباہی کا نشان بھی نہیں سوائے بعض عمارتوں کے کہ جن کو عمداً چھوڑ دیا گیا ہے تاکہ جرمن نسل جنگ کی ہولناکی کا مشاہدہ کرتی رہے۔ تنظیم و ترقی میں تو جرمنوں نے معیار قائم کر دیا ہے۔ اس کے علاوہ وہ فرانس کے برعکس سنجیدہ، انگریزوں کے مقابلے میں زیادہ خوش اخلاق معلوم ہوئے۔

آخن میں ایک روز ٹھہر کر برلن آنا ہوا۔ چالیس لاکھ آبادی کا شہر جس کو جنگ میں سب سے زیادہ آفت کا سامنا کرنا پڑا تھا، لیکن اس وقت اس میں سوائے ان عمارتوں کے جو بطور نمائش عمداً چھوڑ دی گئی ہیں کوئی منہدم و شکستہ عمارت نہیں پائی، برلن میں پارلیمنٹ کی سابق عمارت جو کہ ہٹلر کے زمانہ میں روس کے کریملن کی طرح ہیبتناک سمجھی جاتی تھی سامنے جاکر دیکھی، شکستہ اور غیر آباد پڑی ہے اس پر سنگ تراشی سے بنائے ہوئے قدیم منظر نظر آتے ہیں۔ عمارت پتھر کی اور پرشکوہ ہے۔ لیکن دیکھ کر قدرت الٰہی کا مشاہدہ ہوتا تھا کہ چند دنوں کے فرق سے اس عمارت نے انتہائی عروج اور پھر انتہائی زوال دیکھا، یہ ہے دنیا کے اقتدار و عظمت کی حیثیت۔ پارلیمنٹ کے علاوہ ہٹلر کی قیام گاہ اور جائے خودکشی سب توڑ کر زمین کے برابر کی جا چکی ہے اور اس کے علاوہ اس زمانہ کی اکثر اہم عمارتیں مٹا دی گئی ہیں۔ اب تو سوائے بعض آثار و عمارتوں کے سب نیا برلن ہے جو ۱۰-۱۵ سال میں بنا ہے۔ دیوار برلن بھی عجیب و غریب بچگانہ اور بے معنی چیز ہے اور تمدن سچ پوچھئے کیا یہ پورا مغربی تمدن ہی بچوں کا ایک کھیل ہے جو بچے نہیں بلکہ بڑے کھیل رہے ہیں! مولانا علی میاں[2] نے لندن میں اپنی ایک تقریر میں بڑے مزے کی بات کہی، وہ یہ کہ اس تمدن کو آپ نہایت بڑے اور شاندار پیمانہ پر گڑیا گڈے کا کھیل سمجھ لیجئے۔ جو ہمارے یہاں بعض دولت مند گھرانوں میں بچے رچاتے اور مناتے ہیں، بالکل ایک طرز ایک مزاج معلوم ہوگا، یہ دیوار برلن کیا ہے یہ ایک حد ہے جس پر مغربی طاقتوں اور روس میں کسی طرح اتفاق ہو گیا کہ یہاں سے ہماری سرپرستی ہے اور یہاں سے تمہاری سرپرستی ہے پھر یہ ہوا کہ وہ خط اگر کسی عمارت کی کھڑکیوں سے گذرتا تھا تو وہ کھڑکیاں پتھروں سے چن دی گئیں اور اگر مکان کے سامنے کے حصے سے گذرتا تھا تو مکان کا رخ ہی بدل دیا گیا اور سامنے کا حصہ چن دیا گیا اور اگر کسی کھلے میدان سے گذرتا تھا تو وہاں فصیل کھڑی کر دی گئی اور پر کانٹے دار تار لگا دیئے گئے اور فوجی پہرہ لگا دیا گیا اور اس ساری سختی میں سب سے زیادہ روس کو دلچسپی ہے، کیونکہ روسی برلن کے لوگ وہاں کی تنگی اور سختی سے پریشان ہو کر مغربی برلن کی طرف چوری چھپے برابر بھاگ رہے تھے۔ وہاں جہاں انڈا اور ڈبل روٹی بھی راشن کارڈ سے ملتی ہو، جہاں گرانی زیادہ ہو، آمدنی کم ہو حالانکہ اس کے پڑوسی ملکوں میں نہ زیادہ گرانی ہو اور نہ آمدنی کی زیادہ کمی، تو کیسے ان ملکوں کے آدمی نہ جھانکیں گے اور بھاگنے کی کوشش کریں گے۔

آخر اتفاق سے ہم لوگوں کو مشرقی برلن جانے کا موقع بھی ملا۔ وہاں جاکر اپنی آنکھوں سے پہلی بار ایک کمیونسٹ شہر دیکھا پہلے تو داخلہ کے سخت اور متعدد مراحل سے گذرنا پڑا کیونکہ مغربی برلن والوں کو کسی کے آنے جانے سے کوئی دلچسپی نہیں وہ بالکل نہیں روکتے لیکن مشرقی برلن والے الامان والحفیظ ہر چیز کا جائزہ لیتے ہیں۔ پہلے تو آدمی گنے گئے کہ موٹر میں کتنے اشخاص ہیں۔ پھر آگے بڑھ کر موٹر کی گدیاں اٹھا اٹھا کر دیکھی گئیں اس کے خانے کھول کھول کر دیکھے گئے۔ پھر پاسپورٹوں کی چیکنگ ہوئی۔ تصویروں سے ان کے ارکان کی شکلیں ملائی گئیں۔ پھر رقم کی مقدار معلوم کی گئی۔ پھر آگے بڑھ کر دوسرے عملے نے اسی طرح کی بعض باتیں دوبارہ کیں۔ پھر اندر داخل ہونے کی اجازت ملی۔ اندر پہونچ کر کمیونسٹ علاقے میں کمیونسٹ آبادی کو پہلی بار دیکھا، اترے چہرے، بے بسی کا سا انداز، سناٹے کا سا منظر، بے رونق بازار، کم معیار کا تمدن دیکھ کر حیران رہ گئے کہ یہ بھی برلن ہے جس کو ہم دیکھ رہے ہیں اور وہ بھی برلن تھا جس میں چند منٹ پہلے ہم تھے۔ اُس برلن میں تر و تازہ چہرے، زندگی، رونق، آبادی، اعلیٰ تمدن نظر آ رہا تھا۔ تمام چوراہوں پر الیکٹرک روشنیوں سے آمد و رفت کو کنٹرول کیا جاتا ہے بازار پر رونق، سڑکیں چمکتی ہوئی اور موٹروں سے معمور، عمارتیں نہایت نئی اور ترقی یافتہ اسٹائل کی۔ لیکن یہاں ہر چوراہے پر سپاہی کھڑا ہے اور اپنے ہاتھ اور رول کے اشاروں سے آمد و رفت کے نظم کو کنٹرول کر رہا ہے، سڑکیں ہیں کہنہ کہنہ سی اور خالی خالی بسیں اور ٹراموے برابر آتی جاتی ہیں، لیکن بعض میں دو تین آدمی اور بعض میں صرف ان کے چلانے والے، دو علاقوں پر بھی آبادی اور رونق کم، اور پوری مدت میں ایک بھی مسکراتا چہرہ نظر نہیں آیا۔ یہ حال دیکھ کر طبیعت گھٹنے لگی، محسوس ہونے لگا کہ جیسے بازار و محلے میں نہیں بلکہ ایک بڑے جیل کے اندر ہیں۔

برلن کے متعدد اہم آثار مشرقی برلن کے حصے میں آئے ہیں ان کو بھی دیکھنا تھا۔ مثلاً ایک بڑا میوزیم جس میں مشرق وسطی اور مشرقی یورپ کے آرٹ اور عمارت سازی کے نادر نمونے جمع تھے۔ بڑا خوب میوزیم ہے۔ قدیم عمارتوں کے در و دیوار تک یہ جو حاصل ہو سکیں۔ سیکڑوں ہزاروں میل سے اٹھا لائے اور یہاں لگایا ہے۔ سلاطین ترک کے فرامین شاہی کے بھی اچھے اچھے نمونے دیکھے مشہور مسلمان جغرافیہ داں ادریسی کا ایک نقشہ بھی دیکھا۔ یہ سب برلن کے متحدہ ہونے کے پہلے کا قائم شدہ ہے۔ بہرحال جب تک میوزیم میں رہنا ہوا، بھول سے گئے کہ ہم مشرقی برلن میں ہیں۔ وہاں سے جیسے ہی نکلے پھر وہی کھلا ہوا برلن ملا میوزیم سے نکل کر ان عمارتوں اور بنگلوں کے پاس جانا ہوا جہاں ہٹلر رہتا تھا اور جہاں اس نے خودکشی کی۔ اس کے بعد پھر انہی سخت رسمی مراحل سے گذر کر مغربی برلن واپس ہوئے مغربی برلن پہونچ کر ایسا محسوس ہوا کہ جیل خانہ کی سزا ختم ہوئی اور ہم جیل سے باہر آ گئے، وہاں سے نکل کر ہم سب نے ایک ہلکا پن محسوس کیا۔

مغربی برلن میں ایک میوزیم مچھلیوں اور پانی کے جانوروں کا ہے، کہا جاتا ہے کہ دنیا میں منفرد ہے۔ بہرحال اس کو بھی دیکھا اس میں مچھلیوں کی عجیب عجیب قسمیں ہیں۔ رنگوں کے اعتبار سے شکلوں کے اعتبار سے اور اصناف کے اعتبار سے ایک عجائب خانہ ہے، ان مچھلیوں کے رکھنے کیلئے مطلوبہ درجۂ حرارت اور مطلوبہ جائے رہائش کا پورا انتظام کیا گیا ہے۔ مچھلیوں کے علاوہ کیڑے پانی کے مختلف کیڑے، کچھوے، غرضکہ پانی میں بسنے والے سارے ذی حیات تقریباً اس میں رکھے گئے ہیں۔ بڑا دلچسپ اور معلوماتی ذخیرہ ہے۔ برلن میں ہم لوگوں کے دوران قیام کے دوسرے روز برلن سائنس یونیورسٹی میں اسلامیات کی تقریر رکھی گئی تھی۔ یہ تقریر ماموں جی نے عربی میں تیار کی اور اسی میں جرمنوں کو خطاب کیا ان کی قومی عبقریت کا اعتراف کرتے ہوئے ان کو اسلام کو سمجھنے اور اسلام کی دعوت کو اپنانے کی طرف توجہ اور خوبی کے ساتھ متوجہ کیا۔ تقریر کا جرمن ترجمہ کوئی نہیں کر سکا تھا۔ پہلے تو ماموں جی نے اپنی لکھی ہوئی تقریر کو زبانی تقریر بنا کر پیش کر دیا اس کے بعد اس کا جرمن ترجمہ ایک جرمن نومسلم نوجوان نے پڑھا یہ تقریر مسلمون میں انشاء اللہ شائع ہونے والی ہے برلن میں جو عرب نوجوان تھے، بڑے گرم جوش اور جذبۂ اسلامی کے حامل تھے۔ اپنے اخلاق اور اسلام دوستی کا انھوں نے بڑا اچھا اثر ڈالا۔ یہ سب اخوانی نوجوان ہیں۔ برلن سے ۱۹ اکتوبر کو ہم لوگ جرمنی کے جنوبی شہر میونخ آئے۔ یہ بھی جرمنی کا بڑا شہر ہے آبادی دس لاکھ ہوگی۔ تمدن و ترقی کا تو کہنا ہی کیا۔ یورپ اور پھر جرمنی کا شہر ہے۔ برلن اور یہاں میونخ دونوں جگہ ہم لوگوں کو ہوٹل میں قیام کرنا پڑا کوئی اور دوستانہ اور معقول جگہ موجود نہ تھی، ہوٹلوں کا معیار اونچا ہے اور کرایہ بھی اسی طرح زیادہ ہے۔ آخن سے ہم لوگوں کے ساتھ اسلامک سنٹر جنیوا کی طرف سے بطور نمائندہ استاد یحییٰ صالح باسلامہ بھی ہیں۔ ڈاکٹر سعید رمضان کے نہ آ سکنے کی وجہ سے یہ آئے، اب یہاں میونخ میں خود سعید صاحب بھی آ گئے ہیں۔ جرمنی میں مسلم طلبہ کی بہت سی یونینیں ہیں اور بڑا اچھا کام کر رہی ہیں۔ کئی جگہ تو انھوں نے مسجدوں کی تعمیر کا کام بھی شروع کر رکھا ہے۔ ایک زیر تعمیر مسجد ہم نے آخن میں اپنی آنکھوں سے دیکھی۔ یہ طلبا بڑے جذبہ اور اسلامی روح کے حامل ہیں۔ ان میں بعض بعض ہندوستانی و پاکستانی بھی ہیں، لیکن ان میں سے اکثر و بیشتر عرب اور ان میں زیادہ تر شامی طلباء ہیں۔

اب تھوڑا سا لندن کا ذکر بھی سن لیجئے۔

لندن کے لحاظ سے ہمارے پاس وقت کم تھا اس سے اختصار کے ساتھ لندن کو زیادہ سے زیادہ دیکھنا تھا دوسرے روز سرکاری عمارتوں کا علاقہ دیکھا اس میں بگ بین کا ٹاور برٹش پارلیمنٹ ویسٹ منسٹرابے کا گرجا گھر اور پھر

(باقی ص ۱۰ پر)

[1] مولانا محمد ثانی حسنی ایڈیٹر رضوان

[2] مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

کمیونسٹوں کی جنت ارضی

اسحاق جلیس ندوی

حیات اللہ انصاری صاحب ایڈیٹر قومی آواز ملک کے جانے پہچانے صحافی، ادیب اور قوم پرست لیڈر ہیں۔ علی گڑھ کے زمانۂ تعلیم میں ان کے حلقۂ احباب میں سردار جعفری، سبط حسن، مجاز، ڈاکٹر عبدالعلیم وغیرہ معروف ترقی پسند شامل تھے۔ مشہور ترقی پسند ادیب اور کمیونسٹ لیڈر سید سجاد ظہیر اور ڈاکٹر ملک راج آنند کی کوششوں سے جب ہندوستان میں پہلی مرتبہ انجمن ترقی پسند مصنفین کی بنیاد پڑی تو حیات اللہ صاحب انصاری اس روس نواز ادبی تحریک سے ایک مدت تک وابستہ رہے۔ حیات اللہ صاحب انصاری کا ترقی پسند ادبی تحریک اور پرولتاری نظریات کی علمبردار اشتراکی تحریک سے براہ راست تعلق گو کہ عرصے سے نہیں ہا مگر اس کے باوجود ان کی ہمدردیاں تمام تر کمیونسٹ روس کے ساتھ ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ اس میلان کا باعث ہندوستان اور روس کے باہمی خوشگوار تعلقات ہوں۔

ایڈیٹر قومی آواز کی شخصیت اور نظریات کے تعارف کی ضرورت ....

اسلئے پیش آئی کہ ان کے متعلق کوئی شخص یہ نہ سمجھے کہ وہ قدامت پسند مذہبی انسان ہیں یا رجعت پسند بورژوائی ہیں ان کے خیالات کا محرک اسلام سے وابستگی کا جذبہ یا مذہبی اقدار کا فروغ کبھی نہیں رہا --- ان ہی حیات اللہ انصاری صاحب نے ۲۶ اکتوبر ۶۴ء کے اداریہ میں روس کے وزیر اعظم کامریڈ خروشچوف کے زوال کے اسباب بیان کرتے ہوئے اپنے دورۂ روس کے عینی مشاہدات اور تأثرات قلم بند کئے ہیں --- حیات اللہ انصاری صاحب کا کمیونسٹ روس کا یہ مشاہدہ "دیدۂ عبرت نگاہ" کے لئے خاصا درس عبرت ہے۔ جو حضرات اشتراکی نظریۂ حیات اور کمیونسٹ نظام حکومت کو انسانی مشکلات کا واحد حل سمجھتے ہیں اور جو روس کو جنت ارضی اور ماسکو کو کعبہ کا درجہ دیتے ہیں اور جنہوں نے "ارض ماسکو کو سلام" قسم کی نظمیں لکھی ہیں انہیں حیات اللہ صاحب کے یہ تأثرات دعوت غور و فکر دیتے ہیں۔ ان تأثرات کو کمیونزم کے داعیوں اور پیروؤں کو وقیع سمجھنا چاہئے کیونکہ یہ کسی متعصب مذہبی شخص کے تحریر کردہ نہیں ہیں بلکہ اپنے ہی ایک ساتھی اور رفیق سفر کے قلم سے ہیں۔

ایڈیٹر قومی آواز اپنے سفر روس کے مشاہدات میں تحریر فرماتے ہیں۔

" ۱۹۵۸ء کے آخر میں قومی آواز کے ایڈیٹر نے نجی حیثیت سے روس کا سفر کیا تھا، اس کے جو مشاہدات ہیں ان کو مختصر طور سے وہ یہاں بیان کرتا ہے۔ وہ ریل سے ماسکو تک گیا اور مسلسل ریل کے باہر کی دنیا کو دیکھتا رہا۔ راستے بھر یعنی اٹھارہ سو میل کے اندر کوئی بھی بڑا فارم نہ ملا جہاں ٹریکٹر سے کھیتی ہوتی ہو۔ سب جگہ چھوٹے چھوٹے کھیت ملے جہاں گھوڑوں سے ہل چلائے جاتے تھے۔ دیہات کے مکانات قریب قریب سب کچے تھے اور وہ بھی اس طرح کہ اگر دیوار یا چھت گر گئی تو ہوا اور پانی روکنے کیلئے اس طرح کے ٹوٹے پھوٹے کنستر یا ٹاٹ ٹھونس دئے گئے ہیں۔ دیہاتوں کی لڑکیاں کچی تھیں جو کیچڑ سے پُر تھیں۔ عام دیہاتی روئی کے گلے پہنے ہوئے تھے جن میں سے زیادہ تر تیل اور میل سے چکٹ ہو رہے تھے۔ یہی منظر سرحد سے ماسکو تک مسلسل نظر آیا۔ آنے جانے والی ریلوں میں بھی جو کسان نظر آئے وہ ایسے ہی کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ کھل کر ہنستے یا قہقہہ لگاتے ہوئے کسی کو ان کو نہیں دیکھا گیا۔ کھانے کی چیزیں روس میں بے حد مہنگی تھیں۔ جو ڈبل روٹی ہندوستان میں چار آنے کو ملتی تھی وہ وہاں بارہ آنے کو ملتی تھی۔

قومی آواز کے ایڈیٹر نے ماسکو میں پھٹے حالوں رہنے والوں کو بھی دیکھا، بھیک مانگنے والوں کو بھی، چور بازاری کرنے والوں سے اس کا سابقہ بھی پڑا...... قومی آواز کے ایڈیٹر کا مشاہدہ ہے کہ ۱۹۵۸ء میں بھی روسیوں کو اظہار خیال کی آزادی حاصل نہ تھی۔ یہاں تک کہ یونیورسٹی، کالج، اسکول وغیرہ وغیرہ میں بھی کوئی شخص بلا سکریٹری اجازت کے نہیں جا سکتا تھا...... ایڈیٹر بڑی سفارشوں کے بعد یونیورسٹی دیکھ سکا۔ ان زبردست پابندیوں کی وجہ غالباً یہی تھی کہ خود خروشچوف ڈرتے تھے کہ کہیں لوگ حقیقت کی اصل صورت حال سے واقف نہ ہو جائیں اور اس بنا پر بے چینی نہ پھیل جائے۔

۱۹۵۸ء میں نجی طور سے روس جانے والے اس بات کے پابند تھے کہ وہ اگر ریل سے روس جائیں تو فرسٹ کلاس میں سفر کریں۔ جس میں عام کسان اور مزدور سفر نہیں کرتے تھے۔ اور یہ بھی شرط تھی کہ جانے والے بہت اونچے ہوٹلوں میں سے کسی میں ٹھہریں...... یہاں لوگ اجنبیوں سے بات کرتے گھبراتے ہیں۔ ٹیلیفون کی ڈائرکٹری ناپید ہے۔ آفس کے کام کے ضابطے چھپے ہوئے یا لکھے ہوئے کسی طرح کے بھی نہیں ہیں۔

حیرت کی بات یہ ہے کہ روس میں مٹی کی کمی ہو اور روس امریکہ اور کناڈا سے ایک کروڑ بیس لاکھ ٹن گیہوں خریدے اور اس مسئلے پر روس کے اخباروں میں ذرا بھی بحث نہ ہو۔ نہ اعتراض، نہ مخالفت، نہ جواب طلبی اور نہ احتجاج کچھ بھی تو نہیں ہوا۔ جس ملک میں ذرا بھی آزادئ اظہار خیال حاصل ہو، کیا وہاں اتنی بات پر ایسی خاموشی ممکن ہے"؟

حیات اللہ انصاری صاحب کے اس مفصل تبصرہ کے بعد اس پر مزید کسی اضافہ کی ضرورت نہیں۔ --- تو اول دل کے ننداد کی شکار یہ پوری تحریک اور روس کے تجربہ گاہ روس

(بقیہ ص ۲۶ پر)

عالم اسلام کی مایۂ ناز شخصیت
ڈاکٹر مصطفی السباعی رح
دعوت • جہاد • عمل

از ——— محمد مجتبیٰ حسینی ندوی

عمرہا در کعبہ و بتخانہ می نالد حیات
تا ز غیب بزم یک دانائے راز آید برون

دارالعلوم ندوة العلماء میں عالمیت کا آخری سال تھا، عرب ممالک سے آنیوالے اخبارات و رسائل بڑے شوق و عقیدت سے حاصل کرتا، اور اسے سمجھنے اور استفادہ کی کوشش جاری رکھتا، اسی دوران دمشق سے نکلنے والے کثیر الاشاعت اور معیاری رسالہ "المسلمون" پر نظر پڑی جس کے سرورق پر ڈاکٹر مصطفی السباعی کا نام تھا اس میں موصوف کا کوئی مضمون بھی تھا بعد میں معلوم ہوا کہ یہ شام کی ایک عظیم شخصیت اور الاخوان المسلمون کے سربراہ اور ممتاز انشاپرداز اور شعلہ بیان مقرر ہیں، اس سے شغف اور دلچسپی زیادہ بڑھ گئی۔ خدا کی شان کی جنوری ۱۹۶۰ء میں دمشق یونیورسٹی کے کلیة الشریعہ میں تعلیم حاصل کرنے کیلئے میرا انتخاب ہوا اور میں دمشق پہونچا، سب سے پہلے جس شخصیت سے شرف ملاقات حاصل ہوا وہ ڈاکٹر مصطفی السباعی کی پُراثر پرکشش اور سحرانگیز شخصیت تھی جن کے سانحۂ وفات سے عالم اسلام آج اشکبار ہے گذشتہ ماہ اکتوبر کی ابتدائی تاریخوں میں اسلام کا یہ تابناک ستارہ غروب ہوگیا، اسکی تابناکی سے کتنے ستارے تابناک ہوئے، اور اس کے جلائے ہوئے چراغوں سے کتنے گھر روشن ہیں اور ان کی تابناک شاہین عالم اسلام کے گوشے گوشے اور کونے کونے میں پھیل گئیں جو رنگ برنگے قمقموں اور دیوں میں تبدیل ہوگئیں ہیں جسطرح ایک جگمگاتے ہوئے روشن ستارہ تھے اسیطرح ان کی زندگی بھی تابناکی اور روشنی کا مینار تھی جو گم کردہ راہ قافلوں کی ہمیشہ رہنمائی کرتی رہے گی۔

پیدائش اور بچپن ڈاکٹر صاحب مرحوم بیسویں صدی کے ابتدائی برسوں میں شام کے ایک مردم خیز اور شاداب شہر حمص میں پیدا ہوئے۔ جسے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی آخری خوابگاہ ہونے کا شرف حاصل ہے۔

مرحوم کا گھرانہ سینکڑوں برس سے علم و فضل کا گہوارہ تھا اور ان کے آباء و اجداد ہمیشہ سے حمص کی جامع مسجد کے امام و خطیب ہوتے آئے تھے۔ چنانچہ ان کے والد شیخ حسنی السباعی[1] جامع مسجد کے امام اور خطیب تھے، اس وجہ سے شہر میں بڑے احترام و عقیدت مندانہ نظر سے دیکھے جاتے تھے، اور علم و فضل اور تقوی میں بھی امتیازی شان رکھتے تھے، معاصر علماء سے بڑا گہرا ربط و تعلق تھا اور باہم بحث و مباحثہ اور مذاکرہ کی مجلسیں منعقد ہوا کرتی تھیں جن میں شیخ اپنے نوعمر بچے کو شریک کیا کرتے تھے۔ ڈاکٹر صاحب نے خود ان مجلسوں کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے۔

"والد صاحب مرحوم حمص کے علماء و فقہاء کی ایک جماعت جن میں سے چند حضرات کے اسمائے گرامی اب تک یاد ہیں ... کے ساتھ فقہی اور علمی مسائل کا مذاکرہ و مناقشہ کیا کرتے تھے ان میں حنفی اور شافعی مسلک کے اساتذہ بھی ہوتے تھے۔ مجھے میرے والد مرحوم باوجود میری کمسنی کے ان مجلسوں میں شریک کر لیا کرتے تھے تاکہ میں اس قسم کی فضا و ماحول سے مانوس ہو جاؤں۔ جب میں پڑھنے لکھنے کے لائق ہو گیا تو مجھے دینی تعلیم کیطرف متوجہ کیا، خصوصاً فقہی مذاہب کے تقابلی تعلیم و مطالعہ کیطرف زیادہ توجہ دلائی"[2]

اس کا طبعی اور نفسیاتی نتیجہ تھا کہ استاذ سباعی[3] کھیل کود اور تفریحی پروگراموں سے الگ تھلگ ہو کر بچپن ہی سے علم دین حاصل کرنے میں لگ گئے، اپنے والد بزرگوار کے ہمراہ ہمہ وقت رہتے اور ان کی علمی مجلسوں سے مستفید ہوتے، قومی مشغلے اور وطنی خدمات کا جذبہ بھی اسی عمر سے رونما ہو گیا تھا۔ ابھی سن شعور کو بھی نہ پہونچے تھے کہ پہلی جنگ عظیم ساری دنیا میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی، جنگ ختم ہونے بھی نہ پائی تھی کہ عالم عربی کے ٹکڑے ہونے شروع ہو گئے اور شام و لبنان پر فرانسیسیوں کی نظریں اٹھنے لگیں۔ شامیوں نے دیکھا کہ فرنگی حملہ آور ملک پر قبضہ کرنے والے ہیں اور آگے بڑھتے آرہے ہیں پورا ملک سراپا احتجاج بن کر مظاہرین اور جلوسوں کی شکل میں نمودار ہوا۔ حمص کے علماء کا مظاہرہ بھی ہوا اور استاذ مصطفی السباعی بھی اس میں شریک ہوئے، اس وقت ان کی عمر چھ سال کی تھی۔ ۱۹۳۰ء میں جب پورے ملک شام میں فرانسیسی اقتدار کے خلاف غم و غصہ کی عام فضا بن گئی اور ایک منظم انقلاب کا منصوبہ بنا جس میں حمص نے سب سے اہم کردار پیش کیا تو استاذ مرحوم، انقلابیوں کو بڑی جرأت اور جوانمردی کے ساتھ خبریں جریدہ "المقطم" جس میں انقلاب کی خبریں شائع ہوتی تھیں پہونچایا کرتے تھے، اور کھانے پینے کے سامان بھی خفیہ طور پر پہونچانے میں بڑا حصہ لیا کرتے تھے۔

تعلیم و تربیت ذہانت، طباعی، جرأت، علم کا شوق اور انہماک آبائی ترکہ تھا۔ اس کے ساتھ جلیل القدر عالم اور فاضل باپ کی تربیت و نگہداشت نے چار چاند لگا دئے، پچھلی سطروں میں آپ نے پڑھا کہ ان کے والد مرحوم اپنے ساتھ علمی محفلوں میں شریک کرتے تھے، دینی علوم کا شوق دلاتے تھے اور ان کی آرزو تھی کہ یہ ہونہار بچہ ان کے گھرانہ کا روشن چراغ اور دین کا سچا اور مخلص داعی بنے۔

ابتدائی تعلیم گھر اور مکتب میں حاصل کرنے کے بعد معہد الشرعیہ سے بکالوریا کی سند امتیاز کے ساتھ حاصل کی، اساتذہ سے ہمیشہ خراج تحسین حاصل کرتے رہے اور ہم کے ساتھی انھیں رشک آمیز نگاہوں سے دیکھتے تھے۔ اس کے بعد اعلیٰ تعلیم کے لئے والد نے جامع ازہر (مصر) روانہ کیا۔

جامع ازہر کے کلیة الشریعة میں داخلے کے بعد فقہ اسلامی کی طرف خاص توجہ کی اور اس میں دستگاہ اور خاصا رسوخ اور تعمق حاصل کیا۔

ایک مرتبہ دوران درس اپنے ازہر کے تعلیمی دور کا واقعہ بیان کیا کہ مجھے ابتداء ہی سے فقہ سے ذوق و انہماک تھا، حنفی مسلک کا تھا، لیکن خواہش رہتی تھی کہ دوسرے مسالک کے دلائل سے اچھی طرح واقف ہو جاؤں اور حنفی مسلک کے بھی سارے دلائل سے باخبر ہوتا جاؤں اس لئے اپنے ... کے ازہری استاذ سے بحث و مباحثے

---

[1] حضارة الاسلام شمارہ فلسطین نمبر۔
[2] مذکورہ شمارہ۔
[3] ہمارے یہاں کے ایف اے کے مساوی سند۔

کیا کرتا تھا، اکثر اپنے کو شافعی یا مالکی ظاہر کرتا اور حنفی مسلک کے خلاف دلائل پیش کیا کرتا تھا جس کے جوابات استاذ بڑی قوت سے دیتے تھے لیکن میں اپنے سوالات اور بحث کو جاری رکھتا تھا، اس پر کبھی کبھی استاذ سخت ناراض ہو جایا کرتے تھے اور مجھے ان سے معذرت کرنی پڑتی تھی۔

بڑی جانفشانی، بے پناہ محنت اور بیدار مغزی کے ساتھ ازھر کی تعلیم مکمل کی استاذ سباعی مصر اور ازھر میں صرف ایک طالب علم ہی نہیں رہے بلکہ وہاں کی دینی اخلاقی، اجتماعی اور سیاسی زندگی کا بھی انھوں نے بغور مطالعہ کیا اور اس پر ناقدانہ نظر ڈالی، وہاں کی اہم شخصیتوں ادیبوں، انشا پردازوں اور علماء اور دینی رہنماؤں سے ربط و تعلق پیدا کیا اور تبادلۂ خیالات بھی کیا۔

ان کے ازہر کے دوران قیام میں اخوان المسلمین کی تحریک روبہ ترقی ہو چکی تھی اور امام حسن البنا رح اپنی مقناطیسی جاذبیت و کشش اور قلندرانہ شان کے ساتھ مصری نوجوانوں اور تعلیم یافتہ طبقوں میں غیرت و حمیت، دینی جوش و ولولہ اور دعوت و تبلیغ کا صور پھونک رہے تھے۔ ڈاکٹر مصطفی السباعی جیسا ہوشمند اور روشن ضمیر، غیرت مند اور بلند حوصلہ نوجوان بھلا ایسی دعوت دیکھ کر لبیک نہ کہتا؟ امام حسن البنا رح کی مجلسوں تقریروں اور جلسوں میں شریک ہوئے اور اخوان کا دعوتی رنگ قبول کرتے گئے زور خطابت اور دعوتی ملکہ ورثہ میں ملا تھا، یہاں پہنچکر اور نکھر آیا اور اس میں جلا پیدا ہوگیا۔

ان دنوں مصری نوجوانوں میں اصلاح عام اور تحریک آزادی اور انگریز دشمنی کا جوش و جذبہ پورے شباب پر تھا، ڈاکٹر سباعی بھی اس میں کود پڑے اور دسیوں تقریریں کر ڈالیں جس میں آزادی اور حریت کا مطالبہ کیا، اور انگریزوں کو عالم اسلام سے پاک کرنے کا عہد کیا اور کروایا، انگریزوں کو پتہ لگ گیا، گرفتار ہوئے اور فلسطین کے ایک فوجی چھاؤنی میں قید کر دیئے گئے۔ شروع میں ان کے والد بزرگوار کو معلوم نہیں ہوا جب شیخ محمد الحامد نے بتایا تو مسکرائے اور فرمایا کہ کیا حرج ہے؟ جیل تو مردوں ہی کے لئے ہے۔

آزاد تھے کب قید غم عشق سے ہم کو
زنجیر کا شکوہ ہے نہ زنداں کی شکایت

اپنی درسی اور ازہری کتابوں اور اسباق کے ساتھ ساتھ خارجی مطالعہ بھی کیا کرتے تھے مذاہب اور قوانین کے تقابلی مطالعہ کیطرف رجحان زیادہ تھا، اسی [illegible] مستشرقین یورپ کی بہت سی کتابیں اور مضامین جو عربی میں منتقل کئے جا چکے تھے پڑھنا شروع کیا، جب ڈاکٹر احمد امین صاحب مرحوم کی کتاب فجر الاسلام اور ضحی الاسلام منظر عام پر آئی اور ڈاکٹر مصطفی السباعی کی نظر سے گذری تو انھیں اس میں بہت سی قابل اعتراض اور مشکوک باتیں کھٹکیں، خاص طور سے ڈاکٹر احمد امین نے حدیث شریف اور مشہور صحابی حضرت ابو ہریرہ رضی کی روایات پر جو تنقید یں کی تھیں اور اس سلسلہ میں مشہور مستشرق "گولڈ زہیر" کے اقوال اور اس کی تحقیق سے استدلال کیا تھا، اس پر استاذ محترم نے ایک مضمون سپرد قلم کیا، اور احمد امین کے اس دعوے اور استدلال کو باطل قرار دیا اور اسی کے پیش نظر اپنے "استاذیہ" (پی ایچ ڈی) کا موضوع "السنۃ ومکانتہا فی التشریع الاسلامی" منتخب فرمایا جس کے متعلق ہم آئندہ صفحات میں کسی قدر تفصیل سے گفتگو کریں گے۔

میدان عمل میں

شام سلطان سلیمان قانونی کے دور حکومت میں ترکی سلطنت کے زیر اقتدار آگیا تھا اور اس پر ترکوں کا عمل دخل پورے طور پر ہو گیا تھا، اور ترقی کی شاہراہ پر ایک عرصہ تک گامزن رہا، لیکن ترکی سلطنت کے روبزوال ہوتے ہی وہ ظلم و جبر کا شکار ہوا اور یورپین اقتدار کی زد میں آگیا، انگریزوں نے ترکی کو "مرد بیمار" کا خطاب دے کر اس سے عربوں اور شامیوں کے دلوں میں نفرت و بیزاری کی آگ بھڑکا دی اور پورے عالم عربی میں اور خاص طور سے شام و لبنان میں بے چینی اور اضطراب و انتشار برپا ہوگیا، اس کے نتیجہ میں جنگ آزادی اور ترک بیزاری کی تحریکیں اٹھیں، بعد میں اس نے مختلف شکلیں اختیار کرلیں جن میں سے اکثر اسلام دشمن اور مسلم بیزار ہوگئیں جن کی تفصیل کیلئے ان اوراق کا دامن تنگ نظر آرہا ہے۔ البتہ ان ترک بیزار جماعتوں میں کچھ ایسے افراد ضرور تھے جو انگریزوں اور اہل یورپ کو اپنا سب سے بڑا خطرناک دشمن سمجھتے تھے، اور وہ قطعی اس کے لئے تیار نہ تھے کہ وہ ترکی اقتدار کے جوئے کو کاندھے سے پھینک کر یورپی اقتدار کے گرانبار جوے کو قبول کرلیں۔ جن میں شیخ عبدالرحمن الکواکبی[1] کا اسم گرامی معروف و روشن ہے، لیکن پہلی جنگ عظیم کے ختم ہوتے ہی فرانسیسیوں نے شام و لبنان پر قبضہ جمالیا، اور سیاسی اقتدار کے پہلو بہ پہلو فسق و فجور الحاد و دہریت اور اسلام دشمنی کے تخم بھی اپنے ساتھ لائے۔

شامی اگرچہ جنگ آزادی کے لئے مسلسل کوشش کرتے رہے لیکن دانستہ یا نادانستہ وہ یورپی افکار و خیالات کو بھی اپنے دلوں میں جگہ دیتے گئے

جذبات و عزائم بیدار تھے اور ایک جماعت شباب ﷲ الارقم کے نام سے کچھ اصلاحی اور دینی کام کر رہی تھی، اور دیندار اور اصلاح پسند نوجوان اس سے وابستہ ہو گئے تھے مصطفی السباعی بھی اس جماعت سے متعارف اور اپنے آپ کو اس کا ایک ادنیٰ رکن سمجھتے تھے، لیکن مصر سے وہ ایک نیا جذبہ نیا حوصلہ نیا جوش پختہ عزم، راسخ عقیدہ اور تازہ ایمان لے کر واپس ہوئے امام حسن البنا رح کی سیمابی نگاہوں نے ان کو ایک بلند فکر، نئی امنگ، اجتہادی شان، اور دور اندیش نگاہ سے مالامال کر کے شام جیسے گلزار ملک کیطرف بھیجا تھا، مصطفی السباعی رح کی صلاحیتوں اور اصلاحی کارناموں سے حمص و حلب اور دمشق و حماہ کی سرزمین خوب آشنا تھی۔ "شباب ﷲ الارقم" کے دوش بدوش اس پرجوش داعی اور شعلہ بار نوجوان کی آہ سحرگاہی سے خوابیدہ انسان بیدار ہو گئے۔ پژمردہ کلیاں اور مرجھائے ہوئے پھول کھل گئے اور سارے ملک میں بہار آگئی۔

ڈاکٹر مصطفی السباعی کے زور خطابت، شیریں بیانی شگفتہ خیالات، ستھرے اور پاکیزہ افکار، اخلاص و اخلاق کردار نے نوجوانوں اور عام مسلمانوں کو اپنا فریفتہ اور گرویدہ بنالیا۔ چند ماہ اپنے شہر حمص میں درس و تدریس اور اصلاح کا کام کرتے رہے، لیکن ان کے عزائم اور بلند حوصلوں کیلئے وہ زمین تنگ نظر آئی تو دمشق منتقل ہو گئے، اور وہاں ایک شانی مدرسہ کی بنیاد ڈالی جس میں تعلیم کے ساتھ دینی تربیت کا خاص اہتمام کیا۔ اس مدرسہ کا نام "المعھد الاسلامی العربی" تجویز کیا اب تک وہ دمشق میں قائم ہے اور اس کے تعلیمیافتہ طلباء، اپنی دینداری اور داعیانہ جذبات و جوش میں ممتاز ہیں۔

(باقی آئندہ)

ہندوستان بھر میں اپنی نوعیت کا منفرد و مقبول عام
جریدہ
"راہ عمل دھلی"
جسمیں جدت، ندرت اور جذب و کشش ہے
اسلام کی نشاۃ ثانیہ کا علمبردار
سالانہ قیمت: صرف چھ روپے، فی پرچہ ۳۰ نئے پیسے
زیر ادارت: سید عبدالرزاق قادری
نمونہ کیلئے ۳۰ پیسے کے ڈاک ٹکٹ آنا ضروری ہے۔
منیجر پندرہ روزہ راہ عمل محلہ کشن گنج دہلی ۶

[1] شیخ عبدالرحمن الکواکبی شام کے مشہور و زرخیز شہر حلب کے چشم و چراغ تھے ان کے اثر سے وہاں نشاۃ دینی

[1] شام کے شہر حماہ کے جلیل القدر عالم اور فقیہ ابھی بقید حیات ہیں اور مسلمانوں کو فیض پہونچا رہے ہیں۔

نماز اور اسکا مقام

زبیر احمد شمسی

دراصل نماز خدا کے ساتھ صحیح تعلقات بندگی ادا اپنے اندر صفات بہیمیہ کے خلاف قوائے ملکوتیہ کو مضبوط بنانے اور اعلیٰ صفات پیدا کرنے کی ایک سعی ہے۔

دنیا کی چھوٹی ہستیاں جن کی شان و شوکت و قوت و جبروت سے انسانوں کے دلوں پر مرعوبیت کا نقش باطل بیٹھ جاتا ہے۔ نماز اس نقش باطل کو مٹانے اور انسانی زندگی کو روحانی و مادی دونوں حیثیتوں سے بہترین نمونۂ سعادت بنانے کے لئے حسن توفیق طلب کرنے کا ایک اعلیٰ ذریعہ ہے۔

خلاصہ یہ کہ نماز خدا اور بندے کے درمیان براہ راست ایک ایسا تعلق ہے جس کے درمیان میں کوئی پردہ حائل نہیں اور اگر اس کو بندے کے لئے خدا کی معیت اور صحبت سے تعبیر کیا جائے تو بے جا نہ ہوگا معیت اول سے لیکر آخر تک قائم رہتی ہے جس کے نتیجے میں انسان کے اندر وہ صفات پیدا ہوتی ہیں جن کو صفات ملکوتیہ کہا جاتا ہے اور ان صفات کا خروج ہوتا ہے جس کو قوت بہیمیہ اور صفات طاغوتی کہتے ہیں۔

حدیث شریف میں ہے کہ ایک شخص نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گذارش کی کہ فلاں شخص رات کو نمازیں پڑھا کرتا ہے اور جب تڑکا ہوتا ہے تو چوری کرتا ہے آپ نے ارشاد فرمایا کہ جس چیز کو تم کہہ رہے ہو یعنی ادائے نماز بھی چیز اسے روک دے گی (رواہ احمد بن حنبل عن وکیع)

یہ بات کیونکر حاصل ہوتی ہے اور اس کا کیا سبب ہے احادیث و آثار سے اس پر جو روشنی پڑتی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ نماز میں خدا کی نافرمانیوں سے روکنے اور باز رکھنے کی صفت ہے اگر اس کو کما حقہ پڑھا جائے (کما قال علی رض)

قاسم نے حضرت حسین رض سے روایت کی ہے کہ جس شخص کو اس کی نماز نے بے حیائی اور برائی سے نہ روکا وہ نماز پڑھکر خدا سے اور بھی دور ہو گیا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رض سے ایک شخص کا تذکرہ ہوا کہ فلاں شخص بہت نمازیں پڑھا کرتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ نماز اس شخص کو نفع دیتی ہے جو نماز کی اطاعت کرے۔

یعنی نماز انسانی زندگی کو پاکیزہ بنانے والی اور اس کو شریف کیرکٹر عطا کرنے والی اعلیٰ صفات اور بہترین اخلاق پیدا کرنے والی نفس کو مہذب اور مطہر کرنے والی روح و جسم کو عمدہ غذا بخشنے والی چیز ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اسلام نے دل لئے نماز پر سب سے پہلے اور سب سے زیادہ زور دیا ہے اور ہر جگہ اس کی اہمیت کو ظاہر فرمایا ہے۔ چنانچہ صحیح احادیث میں عمود الاسلام اور کہیں راس الاسلام کہا گیا۔ اور کسی مقام پر کفر اور ایمان کی حد فاصل نماز کو قرار دیا گیا ہے اور ایمان کی علامت نماز کو بتایا گیا ہے فلاح و سعادت کامیابی و کامرانی کا دار و مدار آخرت کی زندگی میں نجات کا انحصار اور اعمال کی صحت و درستگی کو نماز صحت پر موقوف رکھا گیا چنانچہ ایک حدیث شریف میں ہے کہ قیامت میں جس کی نماز درست ہوگی اس کے سارے اعمال درست ہوں گے۔

لیکن افسوس آج ساری امت کے اندر سے دین کا یہ سب سے اہم شعبہ اور سب سے بڑا عمل جاتا رہا ہے تمام افراد امت تارک صلوٰۃ ہیں بلکہ امت کے بعض گمراہ طبقے جو اپنے کو مسلمانوں میں شمار کرتے ہیں منکر صلوٰۃ ہیں۔ اس کے علاوہ جو لوگ مساجد کے اندر نظر آتے ہیں ان کا حال بھی عجیب ہے بعض مقامات پر تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مسجدیں خوف و خشیت توبہ و انابت کی جگہیں نہیں ہیں بلکہ سیاست کے اڈے کاروبار کے میدان اور داستان گوئی کے مقامات ہیں کیونکہ ان سارے مسائل پر مسجدوں میں گفتگو چلتی اور بحث و مباحثے ہوتے ہیں۔ حالانکہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مسجد میں دنیا کی باتیں کرنے سے انسان کے چالیس دن کے نیک اعمال ضایع ہو جاتے ہیں۔ اور ایک روایت میں ہے کہ دنیا کی باتیں مسجد میں کرنے سے نیکیاں اس طرح ختم ہو جاتی ہیں جیسے کہ لکڑی آگ میں ختم ہو جاتی ہے۔ اس کے علاوہ متعدد روایات میں اس بات کی تاکید آئی ہے کہ مسجدوں کو شور و شغب سے محفوظ رکھو، صحابہ کرام کا حال یہ تھا کہ وہ مساجد میں اس طرح داخل ہوتے تھے گویا کہ ان کے جسم میں جان نہیں اور منہ میں آواز نہیں پھر اس حالت میں جب اس فریضہ کو ادا کرنے کیلئے کھڑے ہوتے تو جسم لرزاں و ترساں ہوتا، آنکھوں سے اشک جاری ہوتے عرض و مناجات بارگاہ صمدیت میں عجز و انکسار کا وہ نقشہ ہوتا جس کو رسول عربی فداہ ابی و امی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تعبد ربک کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک سے تعبیر فرمایا تھا۔

اور یہی وہ نماز تھی جس کے اثرات دنیا کے کانطبوں کی زندگیوں میں ہوا اسی عمل کی حقیقت نے نقشے بدل دیئے اور دنیا میں انکے ہاتھوں اتنا زبردست روحانی انقلاب ہوا جس کی مثال تاریخ انسانی میں نہیں ملتی۔

پس آج بھی ساری امت مسلمہ کے واسطے کامیابی کی صحیح شکل یہ ہے کہ نماز کے عمل کو کما حقہ صحیح طور پر زندگی میں داخل کر لیا جائے اور اس کے ذریعے اپنے تمام مسائل میں اعانت و مدد چاہی جائے استعینوا بالصبر والصلوٰۃ اور اسی عمل کو زندہ کرنے کی پوری سعی و جہد کی جائے جو لوگ اس وقت اخلاص کے ساتھ اس عظیم عمل کو زندہ کرنے کی سعی و کوشش کرینگے اور اس کی خاطر سفر کی صعوبتیں برداشت کرینگے وہ گویا سارے اسلام اور دین کے تمام شعبوں کو زندہ کرنے والے ہوں گے کیونکہ قیام نماز ہی پر سارے دین کو موقوف رکھا گیا۔ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم الصلوٰۃ عماد الدین فمن اقامھا فقد اقام الدین ومن ترکھا فقد ھدم الدین۔

نماز دین کا ستون ہے جس نے نماز کو قائم کیا اس نے دین کو قائم کیا اور جس نے نماز کو چھوڑ دیا اس نے سارے دین کو چھوڑ دیا۔

قرآن کریم نے بھی سیئات کا ازالہ دخول جنت اور نعمائے جنت اور خدا کی معیت کو اقامت صلوٰۃ ہی کے ساتھ مشروط کیا ہے۔ قال اللہ انی معکم لئن اقمتم الصلوٰۃ واتیتم الزکوٰۃ وآمنتم برسلی الخ۔ کہا اللہ تعالیٰ نے بلاشبہ میں تمہارے ساتھ ہوں اگر تم نے نماز کو قائم کیا اور زکوٰۃ کو ادا کیا میرے رسولوں پر ایمان لائے اور ان کی توقیر کی اور اللہ کو قرضۂ حسنہ دیا البتہ ضرور بالضرور میں تم سے تمہاری برائیاں دور کردوں گا۔ اور ضرور تم کو ایسی جنتوں میں داخل کروں گا جس کے نیچے نہریں جاری ہیں۔

[1] واضح رہے اس سے مقصود یہ نہیں کہ انسان اسباب دنیا کو بالکل ترک کر کے صرف نماز پر ہی اکتفا کرے بلکہ نماز کے ذریعہ مدد چاہنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ سے اسباب کی لائن سے کامیابی کی مدد چاہے اور خدا پر پورا بھروسہ رکھے۔ کیونکہ کامیابی فی نفسہ اسباب میں نہیں ہے۔

"عرب قوم پرستی"
از مولانا سید ابوالحسن علی ندوی ۔ قیمت پچاس نئے پیسے
پتہ۔ مجلس تحقیقات و نشریات اسلام ندوۃ العلماء، لکھنؤ

چو مرگ آید تبسّم برلب اوست

تسغیر الحسن ندوی

ابو عبید قاسم بن عبد السلام کشاں کشاں مدینہ طیبہ روضۂ اطہر کی زیارت کی غرض سے چلے جا رہے ہیں۔ ساتھ ہی جذبات و شوق کو برانگیختہ کرنے والے اشعار بھی زبان پر جاری ہیں۔ مدینہ طیبہ پہنچے روضۂ اطہر کی زیارت کی، چند دن قیام کیا، پھر واپسی کے لئے رخت سفر باندھا، قافلہ صبح کو روانہ ہونے والا تھا۔ اس نے ایک شب مدینہ میں مزید قیام کا موقعہ مل گیا اور نماز وغیرہ سے فراغت کے بعد استراحت کے لئے لیٹے گئے، آنکھ لگتے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا، کہ آپ کو کثیر تعداد میں لوگ گھیرے ہوئے ہیں، ہر ایک مصافحہ کیلئے بے چین نظر آتا ہے، جو مصافحہ سے شرف یاب ہو جاتا ہے شاداں و فرحاں واپس چلا جاتا ہے، فرط شوق سے ان کے قدم بھی تیزی سے اسی طرف اٹھنے لگے، مجلس کے قریب پہنچے ہی تھے کہ ایک شخص نے ان کو روک دیا، اور یہ مغموم و محزون ہو کر ایک گوشے میں کھڑے ہو گئے، مگر جذبات سے مجبور ہو کر پھر بڑھے لیکن پھر روک دیئے گئے۔ اسی طرح کئی مرتبہ انھوں نے مصافحہ کی غرض سے آگے بڑھنا چاہا لیکن ہر مرتبہ روک دیئے، جب پریشان ہو گئے تو روکنے والے سے پوچھا کہ بھائی تم مجھے کیوں روک رہے ہو؟ اس نے کہا تم کل صبح مدینہ سے کوچ کرنے والے ہو۔ اس نے جواب دیا۔ بس اتنی سی بات ہے۔ یہ بول پڑے، تو پھر اب میں کبھی بھی مدینہ نہیں چھوڑوں گا۔ اب تو خدا کے لئے مجھے زیارت، و ملاقات کا شرف حاصل کرنے دو۔ ہاں اب تمہیں اجازت ہے۔ اس روکنے والے نے کہا۔ اجازت ملنی تھی کہ لوگوں کو چیرتے ہوئے حضورؐ تک پہونچے۔ مصافحہ کیا، اور پھر ایک کنارے کھڑے ہو کر شرف دیدار سے لطف اندوز ہونے لگے، اسی اثنا میں ان کی آنکھ کھل گئی۔ اس خواب سے انھیں اتنی خوشی حاصل ہوئی کہ مدینہ سے واپسی کا ارادہ فسخ کر دیا، لیکن اس کے تیسرے ہی دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مستقل زیارت کیلئے اس عالم فانی سے جاودانی کی طرف سفر اختیار کر گئے؛ (وفیات الاعیان ج ۲ ص ۲۲۶)

امام بخاری پریشان حال و مصیبت زدہ اپنے اعزا کے پاس خرتنگ پہنچے کیونکہ حاکم وقت در پے آزار ہو گیا تھا اس نے ہر جگہ ان کو پریشان کیا۔ یہاں تک کہ مجبور ہو کر انھیں اپنے وطن میں روپوش ہونا پڑا۔ وہاں پہونچ کر انھوں نے الحاح وزاری سے اپنے معبود سے دعا مانگی۔

اَللّٰھُمَّ انی ضاقت زمین کشادہ و وسیع ہونے علی الارض بما کے باوجود مجھ پر تنگ ہو چکی رحبت فاقبض الیک ہے اس لئے مجھے اپنے پاس اٹھا لے۔

ادھر یہ دعا مانگ رہے تھے ادھر اسی وقت ایک شخص جو میٹھی نیند سو رہا تھا اور حضورؐ اور صحابہ کرام کی زیارت سے لطف اندوز ہو رہا تھا کیونکہ وہ دیکھ رہا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کسی کی آمد کا بے چینی سے انتظار کر رہے ہیں جب اس سے نہ رہا گیا تو اس نے بڑھ کر سوال کیا کہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں آپ کس کا انتظار اس بے چینی سے فرما رہے ہیں؟ کون ہے وہ خوش نصیب؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا۔

کیا تمہیں نہیں معلوم کہ آج محمد بن اسماعیل بخاری کی آمد ہے، میں اور میرے اصحاب انہی کے انتظار میں کھڑے ہیں۔

اس کے بعد گھبراہٹ سے ان کی آنکھ کھل گئی، اور کچھ ہی لمحہ بعد انہیں امام بخاری کے وفات کی اطلاع مل گئی۔ اتنا سننا تھا کہ وہ افتاں و خیزاں امام موصوف کی قیام گاہ کی طرف بھاگے۔ طبقات الشافعیۃ الکبری ج ۲ ص ۱۴۲

ابودلف قاسم بن عیسیٰ کے پاس عوام کی آمد و رفت بالکل بند ہے، صرف خواص و خدام ہی کو حاضری کا اذن حاصل ہے۔ اطبا اس کے علاج میں مشغول ہیں۔ ہر شخص حیران و پریشان ہے۔ کہ اتنے میں وہ اپنی آنکھیں کھولتے ہوئے لوگوں پر ایک اچٹتی ہوئی نگاہ ڈالتا ہے اور ایک خادم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کچھ کہتا ہے خادم بادشاہ کو مخاطب کر مسند لگا دیا ہے۔

کوئی سائل یا حاجت مند تو نہیں آیا تھا اس نے بہت ہی نحیف آواز میں سوال کیا،

خراسان کے دس شرفاء آپ کی قدمبوسی کے لئے حاضر ہیں اگر اجازت ہو تو انہیں پیش کیا جائے۔ حاجب نے دونوں ہاتھ جوڑ کر مؤدبانہ عرض کیا۔

ضرور، ضرور، انہیں میرے سامنے پیش کیا جائے نہیں معلوم وہ کن اغراض کے تحت اتنا طویل سفر طے کر کے آئے ہیں۔

حاجب یہ سنتے ہی باہر نکل گیا پھر اپنے ساتھ چند آدمیوں کو لئے ہوئے داخل ہوا جنھوں نے اندر داخل ہوتے ہی فرشی سلام کیا اور ایک گوشے میں مؤدب کھڑے ہو گئے۔ بادشاہ نے سر کی ایک خفیف سی حرکت سے ان کے سلام کا جواب دیا، اور بیٹھنے کا اشارہ کیا، اجازت ملتے ہی وہ سب ایک طرف بیٹھ گئے۔

بادشاہ بہت دیر تک ان کے شہروں کے احوال و کوائف دریافت کرتا رہا۔ اور وہ مناسب جوابات دیتے رہے، آخر میں اس نے ان سے آنے کی غرض و غایت دریافت کی، اور ان میں سے ایک نے جوان کا سردار معلوم ہوتا تھا کہنا شروع کیا،

ہم اپنے اپنے شہروں میں خوش حال تھے، ہمیں کبھی بھی معاشی مصائب کا سامنا نہیں کرنا پڑا ہمارے روز و شب اسی طرح گذر رہے تھے کہ ہم گردش زمانہ کے لپیٹ میں آگئے۔ ہم پر مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے، ہم مفلس و قلاش اور دانے دانے کے محتاج ہو گئے۔ ہم نے آپ کے جود و سخا کے بے شمار واقعات سن رکھے تھے۔ اس لئے ہم آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تاکہ اپنی مشکلات کے دور کرنے میں آپ کا تعاون حاصل کریں اور ہمیں قوی امید ہے کہ ہم آپ کو اپنی توقعات کے خلاف نہیں پائیں گے۔

ان کی گفتگو سننے کے بعد ابودلف نے اپنے خازن کو طلب کیا اور اس سے اپنا خاص صندوق لانے کو کہا، تھوڑی ہی دیر میں وہ صندوق لیکر حاضر ہوا، ابودلف نے اس میں سے بیس تھیلیاں ہیرے و جواہرات سے پُر نکالیں اور ہر ایک کو دو دو تھیلیاں دیتے ہوئے کہا۔

یہ تمہاری ضروریات کے لئے کافی ہوگی، اور یہ رہا تمہارا سفر خرچ، ان تھیلیوں کو گھر پہونچنے سے قبل ہاتھ نہ لگانا، اچھا، ہاں، تم لوگ ایک کام اور کرو وہ یہ کہ تم میں سے ہر شخص الگ الگ کاغذ پر اپنا اپنا نسب نامہ اس طرح لکھے کہ اس کا سلسلہ نسب حضرت علیؓ سے ملجائے اور حضرت فاطمہؓ اس کی دادی ہوں۔ اس کے بعد یہ لکھو کہ

باقی صفحہ پر

دار العلوم حالات و واقعات

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی یورپ سے واپسی

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی ناظم ندوۃ العلماء اور مولانا سید محمد رابع ندوی استاذ دار العلوم ندوۃ العلماء ۸ر نومبر ۱۹۶۴ء کو لکھنؤ بخیر و خوبی پہونچ گئے مولانائے محترم اسلامک سنٹر جنیوا کی دعوت پر ۲ر اکتوبر ۱۹۶۴ء کو سوئٹزرلینڈ تشریف لے گئے تھے اس کے بعد لندن برلن (جرمنی)، استنبول (ترکی)، دمشق (شام) ہوتے ہوئے واپس تشریف لے آئے، یہ دورہ بھی دینی اور تعلیمی لحاظ سے بہت کامیاب رہا۔

انعامی مقابلے

مورخہ ۲۹ر اکتوبر ۱۹۶۴ء کو طلبہ کی یونین جمعیۃ الاصلاح کی بزم خطابت کے انعامی مقابلے کا جلسہ منعقد ہوا۔ اس جلسہ کے لئے درجات علیا و سفلی دونوں کے الگ الگ عنوان مقرر تھے علیا کے لئے تقریر کا موضوع تھا علامہ اقبال کا یہ شعر

نسل، قومیت، کلیسا، سلطنت، تہذیب، رنگ
خواجگی نے خوب چن چن کر بنائے مسکرات

۱۱ طلبہ نے نہایت جوش اور اہتمام سے مقابلہ میں حصہ لیا، جن میں تین طالب علموں کو بالترتیب اول دوم، سوم، انعامات ملے۔ انعام پانے والے طالبعلموں کے نام یہ ہیں۔

(درجات علیا) بشیر احمد بستوی (اول)، عبدالعلیم بستوی (دوم) شرافت علی (سوم)

درجات سفلی کے طلبہ کے لئے تقریر کا عنوان تھا۔ "انسانی زندگی میں مذہب کی اہمیت" جس پر ۱۰ طالب علموں نے تقریر کی، اور مندرجہ ذیل طلبہ نے اول، دوم، سوم انعامات حاصل کئے۔

نوشاد علی (اول)، اقبال حسن صدیقی (دوم)، وصی احمد (سوم)

اس کے علاوہ حصہ لینے والے اکثر طلبہ کو خصوصی انعامات بھی تقسیم کئے گئے۔

۵ر نومبر کو الاصلاح کی "بزم سلیمانی" کے انعامی مقابلے کا جلسہ شیخ التفسیر مولانا محمد اویس صاحب ندوی کی صدارت میں منعقد ہوا، جلسہ کے لئے عناوین کا اعلان بہت پہلے ہی ہو چکا تھا۔ حصہ لینے والے طلبہ نے پوری تیاری اور مطالعہ کے بعد مقررہ موضوع پر مقالے لکھے۔

درجات علیا کے لئے مقالہ کا عنوان "قرآن اور تعمیر انسانیت" مقرر کیا گیا تھا۔ اس موضوع پر ۱۲ طالب علموں نے مقالات لکھے، اور مندرجہ ذیل تین طالب علموں نے بالترتیب اول، دوم، سوم، انعامات حاصل کئے۔

(درجات علیا)، اول انعام: شبیر احمد بستوی دوسرا انعام، عبدالعلیم بستوی اور تیسرا انعام شرافت علی کو ملا۔

درجات سفلی کے لئے مقالات کا موضوع تھا "ہندوستان میں اشاعت اسلام اور صوفیائے کرام" اس میں ۱۲ طلبہ نے مقالات پڑھے، اور تین طالبعلموں نے بہ ترتیب ذیل انعامات حاصل کئے۔

(درجات سفلی)، (اول) ظہور الاسلام (دوم) عبدالوحید حیدر آبادی (سوم) محمد طاہر نیپالی۔

اس کے علاوہ تقریباً تمام حصہ لینے والے طلبہ کو خصوصی انعامات بھی تقسیم کئے گئے۔

والی بال میچ

دار العلوم کے طلبہ کی والی بال ٹیم نے ۵ر اکتوبر کو اسلامیہ کالج کی والی بال ٹیم سے میچ لیا۔ یہ میچ دار العلوم کی فیلڈ میں ہوا جس میں دار العلوم کی ٹیم کو کامیابی حاصل ہوئی، اس سے پہلے آرٹ کالج کی فٹ بال ٹیم سے یہاں کی ٹیم نے میچ لیکر دو گول سے کامیابی حاصل کی۔

۱۶۵۸ / ۳۵۵۳۰

دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

رئیس شاکری بارہ بنکوی متعلم دار العلوم

ندوہ وہ ندوہ، مخزن رحمت کہیں جسے
دل کا سکون، روح کی راحت کہیں جسے

اک مرکز علوم نبوتؐ کہیں جسے
ناموس حسن دین و شریعت کہیں جسے

شبلیؒ[1] کا خواب اور سلیمانؒ[2] کا عمل
سیدؒ[3] علی مونگیری کی حسرت کہیں جسے

جس کے لئے ہے وقف حیات ابوالحسن[4]
عبدالعلی[5] کا ثمرۂ محنت کہیں جسے

ہاں ہاں وہی کہ ندوۃ العلماء ہے جس کا نام
اور سرزمین ہند کی جنت کہیں جسے

ندوے کے ذرے ذرے سے مجھ کو تو اے رئیس
نسبت ہے اس طرح کہ عقیدت کہیں جسے

---

[1] مولانا شبلیؒ [2] مولانا سید سلیمان ندویؒ [3] مولانا سید محمد علی مونگیریؒ بانی ندوۃ العلماء [4] مولانا سید ابوالحسن علی ندوی ناظم ندوۃ العلماء
[5] ڈاکٹر سید عبد العلیؒ سابق ناظم ندوۃ العلماء